

لیلۃ القدر

اور

عید الفطر

مصنف

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی

(بانی و مہتمم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور)

شعبۂ تحقیق واشاعت

Jamia Islamia Maseehul Uloom, Bangalore

K.S. Halli, Post Kannur Village, Bidara Halli Hobli, Baglur Main Road, Bangalore - 562149

H.O # 84, Armstrong Road, Mohalla Baidwadi, Bharthi Nagar, Bangalore - 560 001

Mobile : 9916510036 / 9036701512 / 9036708149

لیلۃ القدراور عید الفطر

عناوین | صفحہ

لیلۃ القدر اور عید الفطر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرف آغاز

زیرنظر رسالہ میرے چند مضامین کا مجموعہ ہے جو لیلۃ القدر اور عید الفطر سے متعلق مختلف اوقات میں اخبارات کے لیے لکھے گئے تھے۔

روز ناموں کی زندگی جیسا کہ مشہور بھی ہے اور معلوم بھی، ایک دن کی ہوتی ہے، اس کے بعد ان میں آئے ہوئے مضامین کی کوئی حیثیت نہیں رہتی الا ماشاء اللہ، اس لیے خیال ہوا کہ ان مضامین کو یکجا کر دیا جائے تا کہ ان سے استفادہ کا سلسلہ جاری رہے اور کاتب مضامین کے لیے صدقۂ جاریہ بنیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالی شرف قبول عطا فرمائے اور بندے کے لیے صدقۂ جاریہ بنائے۔

فقط

محمد شعیب اللہ خان مفتاحی

باسمہ تعالیٰ

لیلۃ القدراس کی حقیقت اور خصوصیات:

لیلۃ القدر کی فضیلت وعظمت پر قرآن پاک واحادیث شریفہ، آثار صحابہ واقوال علماء وصوفیاء سب کے سب متفق ویک زباں ہیں، اور تمام کے تمام اہل اسلام بھی ہر دور میں اس کی عظمت و بزرگی کے قائل رہے ہیں، قرآن پاک میں تو ایک مستقل سورت لیلۃ القدر کے عنوان سے موجود ہے، جس میں حق تعالی شانہ نے لیلۃ القدر کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔

إِنَّا أَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ.وَمَا أَدْرٰكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ.لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ. تَنَزَّلُ الْمَلٰئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ. سَلَامٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ. (سورہ فجر:۳۰)

ہم نے اس (قرآن) کواتارالیلۃ القدر میں اور آپ کو کچھ خبر ہے کہ لیلۃ القدر کیا چیز ہے؟ لیلۃ القدر ایک ہزار مہینوں سے افضل ہے، اس (رات) میں فرشتے اورروح (جبرئیل) اپنے رب کے حکم سے اترتے ہیں ہر کام پر، سلامتی ہے یہ رات صبح کے نکلنے تک۔

اس میں لیلۃ القدر کے متعلق چار باتوں کا ذکر ہے:

(۱) یہ کہ اس رات قرآن نازل ہوا۔

(۲) یہ کہ یہ رات ہزار مہینوں سے افضل ہے۔

(۳) یہ کہ اس رات اللہ کے فرشتے مع جبرئیل کے ہر کام کے ساتھ نازل ہوتے ہیں۔

(۴) یہ کہ یہ رات صبح نکلنے تک سلامتی ہی سلامتی ہے

احادیث بھی اس کی فضیلت میں متعدد آئی ہیں، نیز حضرات صحابہ و علماء اورصوفیاء کے اقوال بھی۔

لیلۃ القدر امتِ محمدیہ کے لیے مخصوص عطیہ ہے:

حضرات مفسرین نے سورۂ لیلۃ القدر کی شانِ نزول میں متعدد روایات نقل کی ہیں، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ لیلۃ القدر کا یہ عطیہ امت محمدیہ کے ساتھ مخصوص ہے، کسی اور امت کو اس سے مشرف نہیں کیا گیا۔

(۱) ابن ابی حاتم نے حضرت علی و عروۃ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت رسول کریم ﷺ نے ایک دن بنی اسرائیل کے بزرگوں کا ذکر کیا، جنہوں نے اسّی برس تک اللہ کی اس طرح عبادت کی کہ پلک جھپکنے کے برابر بھی کوئی گناہ نہیں کیا، آپ ﷺ نے ان چاروں کا نام بتایا کہ وہ حضرت ایوب، حضرت زکریا، حضرت حزقیل بن العجوز اور حضرت یوشع بن نون علیہم السلام تھے، اس پر حضرات صحابہ کو تعجب ہوا، اس کے بعد حضرت جبرئیلؑ حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے محمد ﷺ آپ کی امت ان افراد کی عبادت پر تعجب کر رہی ہے کہ انہوں نے اسّی برس عبادت کی، اللہ تعالی نے آپ پر اس سے بھی بہتر چیز نازل کی ہے، پھر سورہ ''إِنَّا أَنزَلْنَهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ'' پڑھی، پھر فرمایا کہ یہ لیلۃ القدر اس سے افضل ہے جس پر آپ نے اور آپ کی امت نے تعجب کیا تھا۔ یہ سن کر اللہ کے رسول ﷺ بہت مسرور ہوئے۔(۱)

---

(۱) درمنثور: ۵۶۸/۸، روح المعانی: ۲۲۲/۳۰، قرطبی: ۱۳۲/۲۰

(۲)ابن المنذر،ابن ابی حاتم اور بیہقی نے حضرت مجاہد سے روایت کی ہے کہ ایک دفعہ اللہ کے رسول ﷺ نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا ذکر کیا،جس نے ایک ہزار ماہ تک اللہ کے راستے میں ہتھیار باندھے رکھا (یعنی برابر اسّی برس جہاد میں لگا رہا)اس پر مسلمانوں کو تعجب بھی ہوا اور اس کے مقابلہ میں اپنے اعمال حقیر معلوم ہوئے،تو اللہ نے سورۂ قدر نازل فرمائی۔(۱)

امام مالکؒ نے قابل اعتماد اہل علم سے روایت کی ہے کہ رسول کریم ﷺ کو پچھلی امتوں کی عمریں بتائی گئیں (کہ بہت لمبی لمبی ہوتی تھیں) یہ دیکھ کر آپ کو اندیشہ ہوا کہ پچھلی امتیں طول عمر کی وجہ سے جو بہت سارے عمل کر سکی ہیں میری امت اتنے عمل (عمر کم ہونے کی وجہ سے) نہ کر سکے گی،تو اس پر اللہ نے آپ کو لیلۃ القدر عطا فرمائی اور اس کو ایک ہزار ماہ سے بہتر قرار دیا۔(۲)

اس سلسلہ میں اور بھی روایات آئی ہیں،مگر یہ چند بھی کافی ہیں،ان روایات میں بظاہر تعارض محسوس ہوتا ہے مگر حقیقت میں کوئی تعارض نہیں،کیونکہ ایسا ہوسکتا ہے کہ ایسے کئی واقعات کے بعد سورۂ قدر نازل ہوئی اور ہر ایک سے اس کا تعلق ہو،اسی لیے مفسرین نے لکھا ہے کہ ایک آیت یا ایک سورۂ کے متعدد شان نزول ہو سکتے ہیں۔

غرض معلوم ہوا کہ لیلۃ القدر ایک خاص عطیہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس امت کو عطا فرمایا ہے۔

❁ لیلۃ القدر کے عطیہ کا مقصد؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے اور یہ سوال بالکل فطری بھی ہے کہ اس امت کو

---

(۱)تفسیر مجاہد:۲/۷۷۴،درمنثور:۵۶۸/۸،وغیرہ۔(۲)مؤطا امام مالک:۹۹

خصوصیت کے ساتھ یہ عظیم و بابرکت عطیہ (لیلۃ القدر) کس مقصد سے دیا گیا ہے؟

اس کا جواب اوپر ذکر کی گئی روایات سے اجمالاً یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اس عطیۂ خداوندی سے مقصود یہ ہے کہ امتِ محمدیہ اس رات محض اللہ کی عبادت و اطاعت میں لگی رہے اور ایک رات کے اس عمل سے پچھلی اُمتوں کے ان حضرات کا ثواب حاصل کر لے جنہوں نے اسّی اسّی برس اللہ کی عبادت و اطاعت میں زندگی بسر کی ہے۔

اور نبی کریم ﷺ کی ترغیبات و تلقینات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس رات اللہ کی عبادت میں اشتغال وانہاک ہونا چاہیے۔ چنانچہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ:

من قام رمضان ایمانا و احتسابا غفر له ماتقدم من ذنبه. (۱)

جس نے لیلۃ القدر میں ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے قیام کیا (یعنی عبادت کیا) اس کے تمام پچھلے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔

اس حدیث سے لیلۃ القدر میں عبادت و اطاعت کی طرف رغبت دلائی گئی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ رغبت اسی لیے دلائی جاتی ہے کہ یہ کام اس موقع پر کرنے کا ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ عبادت و اطاعت کی رات ہے، اس کے علاوہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ اگر میں لیلۃ القدر کو پاؤں تو اس میں کیا کہوں؟ فرمایا کہ یہ دعا کرو:

اَللّٰهُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنَّا. (۲)

اے اللہ! تو معاف کرنے والا ہے، معافی کو پسند کرتا ہے، لہذا ہم کو معاف فرما۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ لیلۃ القدر میں ایک کام اللہ سے دعا مانگنا بھی ہے، جس

---

(۱) بخاری: ۳۴، مسلم: ۱۲۶۸، ترمذی: ۶۱۹، نسائی: ۲۱۷۳، ابوداؤد: ۱۱۶۵، احمد: ۶۹۷۹

(۲) ترمذی: ۳۴۳۵، ابن ماجہ: ۳۸۴۰، احمد: ۲۴۲۱۵

میں عاجزی وانکساری، انابت وتوجہ الی اللہ کے عناصر شامل ہوں، ان مقاصد کے لیے ہمیں لیلۃ القدر عطا فرمائی گئی ہے۔

قدر کے تین معنے:

لیلۃ القدر کو لیلۃ القدر کیوں کہتے ہیں؟ علماء نے اس کی تین وجوہات بیان کی ہیں، اور یہ تین وجوہ دراصل قدر کے تین معانی کے اعتبار سے پیدا ہوگئے ہیں۔

قدر کے عربی میں تین معانی بیان ہوئے ہیں (۱) عظمت: جیسے کہا کرتے ہیں کہ باپ کی قدر کرو یعنی اس کی عزت وعظمت کرو (۲) تقدیر (۳) تنگی: جیسے قرآن میں فرمایا ﴿مَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ﴾ (جس کا رزق تنگ کردیا گیا)۔

ان تین معانی کے لحاظ سے لیلۃ القدر کے بھی تین معنی ہوگئے اور پھر ہر معنی پر اس کی مختلف توجیہات بھی فرمائی گئی ہیں اور ابن الجوزی نے پانچ معنی بیان کئے ہیں، مگر وہ انہی تین میں منضم ہوجاتے ہیں۔(۱)

لیلۃ القدر کی پہلی توجیہ:

چنانچہ قدر کے پہلے معنی عظمت وعزت کے ہیں، اس لحاظ سے لیلۃ القدر کے معنی عزت وعظمت والی رات کے ہوئے، اب رہا یہ سوال کہ اس کو عزت وعظمت والی رات کیوں کہا گیا؟ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس رات میں اللہ تعالیٰ نے اپنا قابل قدر کلام، حضرت جبریل جیسے قابل قدر فرشتے کے ذریعہ، نبی کریم ﷺ جیسے قابل قدر رسول پر نازل فرمایا تھا، لہذا اس کو قدر وعزت والی رات کہا۔

بعض نے فرمایا کہ اس رات اللہ کے جلیل القدر ورفیع القدر فرشتے دنیا میں نازل ہوتے ہیں، اس لیے اس کو قدر والی رات کہا گیا، بعض نے یہ توجیہ کی کہ چونکہ

---

(۱) زادالمسیر: ۹/۱۸۲

اس میں اللہ کی طرف سے رحمت و برکت ومغفرت جیسی جلیل القدر روحانی نعمتیں نازل ہوتی ہیں،اس لیےاس کولیلۃ القدرفرمایا گیاہے،اس بارے میں ایک تاویل یہ ہے کہ جوشخص اللہ کی عبادت کے ذریعہ اس رات شب بیداری کرتاہے،وہ قابل قدرو لائق عظمت وعزت ہوجاتا ہے ،لہذا اس رات کو قدر والی رات سے موسوم کیا گیا۔(۱)

قدر کے دوسرے معنی اوراسکی توجیہ :

قدر کے دوسرے معنی تقدیر کے ہیں،اوراس معنی کے اعتبار سے لیلۃ القدر کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس رات میں اللہ کی طرف سے بندوں کے فیصلے ہوتے ہیں اوران فیصلوں کا اظہار فرشتوں پر کیا جاتا ہے،ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ یہ بات صحیح سندوں کے ساتھ حضرت مجاہد،عکرمہ،قتادہ وغیرہ سے عبدالرّزاق وغیرہ مفسرین نے روایت کی ہے۔(۲)

علامہ نوویؒ نے لکھا ہے کہ علماء نے کہا کہ لیلۃ القدراس رات کواس لیے کہا گیا کہ اس رات میں ملائکہ کے لیے یہ لکھکر دیدیا جاتا ہے کہ(انسانوں کا) رزق ،عمر،وغیرہ کیااورکتنی ہے،جواس سال میں مقدرومقرر ہے،جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿فِیْهَا یُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِیْمٍ﴾[سورۂ دخان:۴] یعنی اس رات میں تمام بڑے امور کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔نیز (سورۂ قدر میں) فرمایا کہ اس رات فرشتے جبرئیلؑ کے ساتھ اترتے ہیں ہرامر کویعنی فیصلہ کولیکر،اور فیصلہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ فیصلوں کا اظہار فرشتوں کے سامنے کیا جاتا ہے اوران کوحکم دیا جاتا ہے کہ اپنی ڈیوٹی و وظیفہ انجام دیتے رہیں۔(۳)

---

(۱)فتح الباری:۴/۲۵۵(۲)فتح الباری:۴/۲۵۵(۳)شرح مسلم:۱/۳۶۹

❁ قدر کے تیسرے معنے کی توجیہ:

قدر کے تیسرے معنی ہیں تنگی، اس لحاظ سے لیلۃ القدر کو تنگی کی رات اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بے شمار فرشتے اس رات زمین پر اُترتے ہیں، اور فرشتوں کی کثرت کے نتیجہ میں اس رات زمین تنگ ہوجاتی ہے، اس لیے اس رات کو لیلۃ القدر یعنی تنگی کی رات کہا گیا، یا اس لیے اس کو تنگی کی رات کہا گیا کہ لیلۃ القدر کو مخفی کردینے کی وجہ سے لوگوں پر کچھ دقت اور تنگی محسوس ہوتی ہے۔ (واللہ اعلم)

❁ لیلۃ القدر کب آتی ہے؟

یہ عظیم ومبارک رات کب آتی ہے؟ اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری میں اس بارے میں چھیالیس (۴۶) اقوال اور ان کے دلائل کا بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے، جمہور علماء نے اس سلسلہ میں جو فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ لیلۃ القدر رمضان المبارک کے اخیر عشرہ میں ہوتی ہے، اور اس میں بھی طاق راتوں میں ہونے کا زیادہ امکان ہے۔

چنانچہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

فلتمسوھا فی العشر الاواخر. (۱)

''لیلۃ القدر کو رمضان کے اخیر عشرہ میں تلاش کرو''۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

تحروا لیلة القدر من العشر الاواخر من رمضان.

''جو لیلۃ القدر کو تلاش کرنا چاہے وہ اس کو آخری دس (راتوں) میں تلاش کرے''۔ (۲)

---

(۱) بخاری: ۱۸۷۸، مسلم: ۱۹۹۸، ترمذی: ۷۲۳، احمد: ۲۳۱۵۷ وغیرہ) (۲) بخاری: ۱۸۷۷، مسلم ۱۹۹۰:

ان کے علاوہ اور بھی متعدد صحابہ سے حضور ﷺ کا یہ ارشاد مروی ہے کہ لیلۃ القدر آخری عشرۂ رمضان میں آتی ہے، نیز یہ بھی وارد ہوا ہے کہ آخری عشرہ میں بھی وتر یعنی طاق راتوں میں زیادہ امکان ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ:

تحروا لیلۃ القدر فی الوتر من العشر الاواخر من رمضان.

حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اخیر عشرۂ میں سے طاق راتوں میں لیلۃ القدر کو تلاش کرو۔(۱)

پھر بعض روایات میں ستائیس رمضان کی شب میں لیلۃ القدر ہونے کا ذکر بھی آیا ہے۔ چنانچہ ابوداؤد میں رسول اللہ ﷺ سے اس قول کو نقل کیا ہے۔(۲)

اسی طرح بعض صحابہ سے بھی مروی ہے، چنانچہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کہ وہ جانتے ہیں کہ لیلۃ القدر رمضان میں ہوتی ہے اور رمضان کے اخیر عشرۂ میں ہوتی ہے اور یہ کہ وہ ستائیسویں رات میں ہوتی ہے، پھر خود قسم کھا کر فرمایا کہ وہ بلا استثناء و بلا تخلف ستائیسویں میں ہوتی ہے۔(۳)

مگر چونکہ دیگر روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ستائیسویں ہی میں یہ متعین نہیں ہے، چنانچہ ابن عباس سے بخاری میں ایک قول ستائیسویں کا اور دوسرا چوبیسویں کا مروی ہے، پھر علماء نے ان کے اقوال کی توجیہ وتطبیق میں بھی لمبا کلام کیا ہے، پھر مسلم میں آیا ہے کہ ایک آدمی نے دیکھا کہ لیلۃ القدر ستائیسویں میں ہے، اس پر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ مجھے بھی تمہاری طرح دکھایا گیا ہے، لہذا تم آخری عشرہ میں سے طاق راتوں میں اس کو تلاش کرو۔(۴)

اس میں اللہ کے رسول ﷺ نے یہ تسلیم کر کے کہ ستائیسویں میں لیلۃ القدر

---

(۱) بخاری:۱۸۷۶ (۲) ابوداؤد:۱۱۷۸ (۳) مسلم:۱۲۷۲، ابوداؤد:۱۱۷۰، ترمذی:۷۲۳
(۴) مسلم:۱۹۸۷

ہوئی، پھر بھی فرمایا کہ آخری عشرہَ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔ معلوم ہوا کہ دوسری راتوں میں ہونے کا بھی امکان ہے، لہذا آخری عشرہَ میں تلاش جاری رکھنا چاہئے۔

ایک نبوی تنبیہ:

یہاں ایک اہم حدیث ذکر کرنا مناسب ہے جس سے معلوم ہوگا کہ لیلۃ القدر کے سلسلہ میں تعیین پر اصرار بھی مناسب نہیں، بلکہ آخری عشرہ میں تلاش کرنا اور اس تلاش کو جاری رکھنا مناسب ہے۔

حاکم نے مستدرک میں اور ابن ابی شیبہ نے مصنف میں حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے لیلۃ القدر کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا کہ کیا وہ رمضان میں ہوتی ہے یا غیر رمضان میں بھی ہوتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ رمضان میں ہوتی ہے، میں نے عرض کیا کہ کیا انبیاء جب تک زندہ ہوتے ہیں وہ رہتی ہے، اور انبیاء کے چلے جانے سے وہ بھی اٹھالی جائے گی یا قیامت تک رہے گی؟ فرمایا کہ وہ قیامت تک رہے گی، میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! وہ رمضان کے کونسے حصے میں ہوگی؟ فرمایا کہ اول یا آخری عشرہ میں تلاش کرو؛ پھر آپ ﷺ کچھ اور بیان فرماتے رہے، میں نے فرصت کا موقعہ غنیمت جانا اور عرض کیا کہ لیلۃ القدر ان بیس دنوں میں سے کونسے میں ہوتی ہے؟ فرمایا کہ آخری دس دنوں میں اس کو تلاش کرو اور اس کے بعد مجھ سے کچھ نہ پوچھنا، پھر آپ ﷺ کچھ اور بیان کرتے رہے، پھر میں نے فرصت کو غنیمت جانا اور عرض کیا کہ میں آپ کو قسم دیتا ہوں کہ آپ مجھے بتائیں کہ وہ دس میں سے کونسی رات ہوتی ہے؟ اس پر آپ ﷺ اس قدر غضبناک ہوئے کہ نہ اس سے پہلے مجھ پر آپ نے ایسا غصہ کیا اور نہ بعد میں، اور فرمایا کہ اللہ اگر چاہے گا تو تم کو مطلع کردیگا آخری سات دنوں میں اس کو تلاش کرو۔(۱)

---

(۱) مستدرک حاکم: ۱/۶۰۳، ابن ابی شیبہ: ۲/۲۵۰

حاکم نے اس کو مسلم کی شرط کے مطابق صحیح قرار دیا ہے،معلوم ہوا کہ اس سلسلہ میں زیادہ کاوش اللہ کے رسول ﷺ کو پسند نہیں تھی ،لہذا آخری عشرہ میں یا کم از کم آخری سات راتوں میں لیلۃ القدر کی تلاش جاری رکھنا چاہیئے ۔

لیلۃ القدر کو بھلا دیا گیا:

اصل یہ ہے کہ لیلۃ القدر کے سلسلہ میں مختلف روایات ہیں،اولاً تو اسی میں کلام ہے کہ لیلۃ القدر کسی خاص و متعین تاریخ کو آتی ہے یا کبھی کسی تاریخ کو اور کبھی کسی اور تاریخ کو،اور اس اختلاف کی بنیاد یہ حدیث ہے جس میں اللہ کے نبی ﷺ نے یہ خبر دی ہے کہ مجھے لیلۃ القدر کا علم دیا گیا پھر وہ اٹھالیا گیا۔ پوری حدیث یہ ہے:

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے تا کہ ہم کو لیلۃ القدر کی خبر دیں،وہاں دو مسلمان جھگڑ رہے تھے،آپ ﷺ نے فرمایا:

خرجت لأخبركم بليلة القدر فتلاحى فلان وفلان فرفعت و عسى أن يكون خيرا لكم فلتمسوها فى التاسعة والسابعة والخامسة

میں اس لیے نکلا تھا کہ تم کو لیلۃ القدر کی خبر دوں،فلاں اور فلاں نے جھگڑا کیا تو یہ اٹھالی گئی،اور شاید یہی تمہارے لیے بہتر ہے،پس (آخری عشرہ میں) نویں یا ساتویں یا پانچویں رات میں اس کو تلاش کرو۔(۱)

اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ آپ ﷺ کو پہلے تو لیلۃ القدر کا علم دیا گیا،پھر وہ اٹھالیا گیا،اب علماء کے مابین اختلاف ہوگیا کہ سرے سے تعیین اٹھالی گئی کہ اب لیلۃ القدر کسی متعین تاریخ میں نہیں آتی بلکہ کبھی کسی تاریخ میں اور کبھی کسی تاریخ میں آتی ہے یا یہ کہ تعیین تو اب بھی ہے کہ ایک متعین تاریخ میں یہ آتی ہے،مگر اللہ کے نبی ﷺ

---

(۱) بخاری:۱/۲۷۰،ورواہ مالک عن انس:۹۸

کے قلب و ذہن سے اس متعینہ تاریخ کو اٹھا لیا گیا، احتمال تو دونوں باتوں کا ہے اور ایک احتمال یہ ہے کہ اٹھا لینے سے مراد اُس سال جس میں اللہ کے نبی علیہ السلام نے یہ فرمایا تھا: اس کی برکت کو اٹھا لینا ہے، مگر بعض روایات میں صاف صاف یہ آیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: نَسِيتُهَا أو نُسيتُها. (۱)

(میں اس کو بھول گیا یا مجھ سے بھلا دیا گیا)

اس سے بظاہر یہی مفہوم ہوتا ہے کہ اٹھا لینے کا مطلب ہے ذہن سے اس تعیین کا اٹھا لینا اور بھلا دینا۔

بھلا دینے کا سبب:

پھر اس نسیان یا بھلا دینے کا سبب کیا ہوا؟ اس میں ایک بات تو وہی بیان ہوئی ہے جو اوپر عرض کی گئی اور بخاری و موطا مالک کی روایات میں اس کا ذکر ہے کہ دو آدمیوں کے جھگڑنے کی وجہ سے لیلۃ القدر کو بھلا دیا گیا، ابن دحیہ نے لکھا ہے کہ یہ دو آدمی عبداللہ بن ابی حدرد اور کعب بن مالک تھے جیسا کہ ابن حجر نے نقل کیا ہے۔ (۲)

اور مسلم شریف میں ایک دوسرا سبب بیان کیا گیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

قال أريت ليلة القدر ثم أيقظنى بعض أهلي فنُسيتُها. (۳)

مجھے لیلۃ القدر دکھائی گئی پھر میرے بعض گھر والوں نے مجھے بیدار کر دیا تو میں بھول گیا یا بھلا دیا گیا۔

اس میں لیلۃ القدر کو بھول جانے کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ گھر والوں نے اٹھا دیا

---

(۱) مسلم: ۳۶۹/۱، (۲) فتح الباری: ۲۶۸/۴، (۳) مسلم: ۳۶۹/۱

تھا، اب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ دو الگ الگ قصّے ہوں کہ ابو ہریرہؓ کی حدیث میں جو لیلۃ القدر کو دکھائے جانے کا ذکر ہے، وہ خواب کا واقعہ ہوا اور اٹھانے اور بیدار کرنے کے سبب سے بھلا دیا گیا ہو۔ اور حضرت عبادہؓ اور انسؓ کی روایت میں جو لیلۃ القدر کے دکھائے جانے کا تذکرہ ہے، وہ بیداری کا واقعہ ہوا اور دو آدمیوں کے جھگڑے کی وجہ سے بھول ہوگئی ہو، تو مطلب یہ ہوا کہ آپ ﷺ کو دو دفعہ اس کا علم دیا گا اور ہر دفعہ ایک ایک سبب سے وہ علم اٹھالیا گیا اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ ان دونوں احادیث میں ایک ہی واقعہ مذکور ہوا اور یہ دونوں سبب ایک ہی وقت میں پیش آئے ہوں، اس طرح کہ آپ کو لیلۃ القدر کا علم دیا گیا، مگر ایک تو گھر والوں کے بیدار کر دینے، پھر ان دو آدمیوں کے جھگڑے کی وجہ سے بھلا دیا گیا۔

الغرض اس سے معلوم ہوا کہ ان دو اسباب کی وجہ سے لیلۃ القدر کا علم اٹھالیا گیا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جھگڑا نہایت بُری بلا ہے، جس کی وجہ سے ایک عظیم علم سے محروم کر دیا گیا۔

لیلۃ القدر کو مخفی رکھنے کی حکمت:

مگر لیلۃ القدر کو مخفی کر دینا اور اس کی تعیین کا علم اٹھالینا یا خود تعیین ہی کا اٹھالینا، بڑی حکمت و مصلحت پر مبنی ہے، اس لیے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: عَسٰی أَن یکون خیرًا لّکُمْ. یعنی لیلۃ القدر کا علم اٹھالیا جانا، امید ہے کہ تمہارے لیے بہتر ہوگا۔

اب سوال یہ ہے کہ اس میں خیریت کا کونسا پہلو ہے۔ اور وہ کیا حکمت و مصلحت ہے؟ ابن حجر عسقلانیؒ نے حضرات علماء کے حوالہ سے لکھا ہے کہ:

''لیلۃ القدر کے چھپا دینے میں یہ حکمت ہے کہ اس کی تلاش و جستجو میں مجاہدہ

اور سعی کی جائے اور اگر اس کو متعین کر دیا جاتا تو اسی ایک رات پر اقتصار کر لیا جاتا (۱)

خلاصہ یہ ہے کہ لیلۃ القدر کو چھپا دینے سے یہ فائدہ ہوا کہ اس کو پانے کے لیے لوگ محنت و مجاہدہ کریں گے اور نہ صرف ایک رات بلکہ پورا عشرۂ اخیرہ شب بیداری اور عبادت و اطاعتِ خداوندی میں گذاریں گے، اگر لیلۃ القدر کو متعین کر کے بتا دیا جاتا تو صرف اسی ایک رات میں لوگ عبادت کرتے۔

دوسری حکمت اور مصلحت یہ ہے کہ اگر لیلۃ القدر کو ظاہر کر دیا جاتا اور پھر بھی ہم سے اس میں عبادت میں کمی و کوتاہی ہوتی اور غفلت اندیشی کا ظہور ہوتا تو اس عظیم نعمت کی کھلی ناقدری کی وجہ سے عذاب کے مستحق قرار پاجاتے، اب اللہ نے اس کو چھپا کر یہ کرم فرمایا کہ اس میں کوتاہی ہو جاتی ہے تو چونکہ متعین طور پر معلوم نہیں اس لیے اس کو کھلی ناقدری میں شمار نہیں کیا جاتا، اور محروم ہونے کے باوجود مستحق عذاب قرار نہیں دیا جاتا، یہ بھی اللہ کی بہت بڑی حکمت و مصلحت ہے۔

❁ لیلۃ القدر کی پانچ خصوصیات:

سورۂ قدر میں لیلۃ القدر کی پانچ خصوصیات بیان کی گئی ہیں، جس سے یہ رات دیگر راتوں سے ممتاز ہو جاتی ہے اور اس کی حقیقت بھی ان سے واضح ہو جاتی ہے، یہاں ان کی تفصیل عرض کی جاتی ہے۔

نزولِ قرآن:

پہلی خصوصیت بیان کی گئی کہ لیلۃ القدر میں قرآن پاک کا نزول ہوا۔ ﴿اِنَّا اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةِ الۡقَدۡرِ﴾ دوسری جگہ فرمایا ﴿اِنَّا اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةٍ مُّبٰرَکَةٍ﴾ (کہ ہم نے اس قرآن کو مبارک رات میں نازل کیا ہے) اس میں مبارک رات سے

(۱) فتح الباری: ۲۶۶/۴

مراد جمہور علماءِ تفسیر کے نزدیک لیلۃ القدر ہے، جس عظیم الشان رات میں یہ عظیم کلام نازل کیا گیا، اس کی عظمت و بزرگی کا کیا ٹھکانہ ہے، یہ قرآن کیا ہے؟ انسانوں کے لیے پروانۂ آزادی ہے، اللہ نے دنیا میں انسان کو تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ مکرم و مقدس بنا کر بھیجا تھا، اس کو مسجود ملائک بنا کر دنیا میں روانہ کیا تھا، مگر یہ دنیا میں آ کر خود کو ذلیل و خوار کیا اور اینٹ و پتھر و درخت اور دنیا کی ذلیل سے ذلیل اور بے حقیقت چیزوں کی پوجا و غلامی میں مبتلا ہو گیا، اللہ نے حضرات انبیاء کے ذریعہ اس کو بتایا کہ تیرا مرتبہ کیا ہے، تو شجر و حجر کے سامنے سجدہ کرنے نہیں، شمس و قمر کی پوجا کرنے نہیں، ہواؤں اور دریاؤں کی غلامی کے لیے نہیں، بلکہ تو تو ان سب مخلوقات کو اپنا غلام و محکوم بنانے کے لیے بھیجا گیا ہے، تو اگر کسی کا غلام ہو سکتا ہے تو وہ صرف اللہ کی ہستی ہے، اخیر میں یہی پیغام لیکر نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ تشریف لائے اور آپ پر اللہ کا یہ کلام نازل فرمایا گیا، جس میں انسان کو اس کا مرتبہ و مقام بتا کر دنیا کی تمام طاقتوں سے آزادی بخشی گئی ہے، باطل معبودوں کی غلامی سے نجات کا سامان کیا گیا ہے اور تمام مخلوقات کا اس کا غلام ہونا بیان کیا گیا ہے، شمس و قمر کی تسخیر آخر انسان کے لیے جو کر دی گئی، اس کا آخر مطلب ہی کیا ہے؟ یہی کہ یہ سب تیرے غلام ہیں تو کسی کا غلام نہیں، تو صرف اللہ کا غلام و بندہ ہے، یہ عظیم الشان آزادی کا پروانہ (قرآن مجید) اسی لیلۃ القدر میں نازل کیا گیا، تو گویا یہ رات انسان کا یوم آزادی ہے، غرض یہ کہ اس رات میں یہ عظیم کلام نازل فرما کر انسانیت پر خدا تعالیٰ نے بے انتہاء کرم فرمایا اور اس کا ذکر اس آیت میں کیا گیا۔

ہزار مہینوں سے افضل:

لیلۃ القدر کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ ہزار مہینوں سے زیادہ افضل ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اس ایک رات میں نیکی اور عبادت کرنا، ایک ہزار مہینوں میں عبادت و نیکی کرنے سے افضل ہے، علماء نے لکھا ہے کہ جو شخص یہ چاہے کہ میں ایک ہزار ماہ تک عبادت کرنے کا ثواب پاؤں تو اس کو چاہئے کہ لیلۃ القدر میں عبادت کرے، ایک ہزار مہینوں کا حساب لگایا جائے تو (۸۳) تراسی برس چار مہینے ہوتے ہیں۔

چند فوائد:

ایک یہ کہ لیلۃ القدر جس طرح افضل ہے، کیا اس سے متصل دن کو بھی یہی فضیلت حاصل ہے یا نہیں؟ امام شعبیؒ نے فرمایا کہ ہاں، اس سے متصل آنے والا دن بھی اسی طرح افضل ہے اور جمہور علماء نے فرمایا کہ نہیں، یہ فضیلت صرف رات کو حاصل ہے، البتہ رات کی طرح دن میں بھی عبادت میں سعی و کوشش بہتر ہے۔ دوسرے یہ کہ جمعہ کی رات لیلۃ القدر سے افضل ہے یا لیلۃ القدر اس سے بھی افضل ہے؟ ظاہرِ قرآن سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ رات تمام راتوں سے افضل ہے حتی کہ جمعہ کی شب سے بھی افضل ہے، نیز اس رات کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس میں قرآن مجید نازل ہوا، جو کسی اور رات کو حاصل نہیں، نیز لیلۃ القدر میں خصوصیت کے ساتھ عبادت کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کی فضیلت بتائی گئی ہے، جبکہ جمعہ کی رات کے لیے یہ بات نہیں ہے اور بعض علماء (حنابلہ) اس بات کے قائل ہیں کہ جمعہ کی رات لیلۃ القدر سے افضل ہے، کیونکہ جمعہ کے جو فضائل حدیثوں میں آئے ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ سیدالایام ہے، لہذا اس کی شب بھی سیداللیالی ہونا چاہئے، اس سلسلہ میں ایک متوسط ومعتدل بات حنبلی عالم ابوالحسن تیمیؒ سے منقول ہے کہ وہ لیلۃ القدر جس میں قرآن نازل ہوا وہ جمعہ کی رات سے افضل ہے اور اس لیلۃ القدر کے بعد جو ہر سال لیلۃ القدر آتی ہے اس سے جمعہ کی رات افضل ہے، مگر جمہور کے نزدیک لیلۃ القدر سب سے افضل ہے۔

تیسرے یہ کہ عید قربان کی رات کی فضیلت میں جو حدیثیں آئی ہیں، ان کی بنا پر بعض علماء نے لیلۃ القدر پر لیلۃ النحر کو افضل قرار دیا ہے مگر جمہور علماء نے آیات قرآنیہ کے پیش نظر اس کی تردید فرمائی ہے۔

نزول ملائک:

لیلۃ القدر کی تیسری خصوصیت یہ کہ اس رات اللہ کے فرشتے زمین پر نازل ہوتے ہیں اور مومنین کے حق میں دعائیں کرتے ہیں، قرآن میں ہے کہ اس رات میں فرشتے اور روح اللہ کے حکم سے نازل ہوتے ہیں، اس جگہ روح سے مراد اکثر علماء کے نزدیک حضرت جبرئیلؑ ہیں، اور بعض علماء نے فرمایا کہ روح ایک عظیم فرشتہ ہے اگر وہ تمام زمین وآسمانوں کو نگل جائے تو ایک لقمہ ہو جائے گا، بعض نے فرمایا کہ روح سے فرشتوں کی ایک مخصوص جماعت مراد ہے جو فرشتوں کو بھی صرف اسی لیلۃ القدر میں نظر آتی ہے اور بعض نے فرمایا کہ روح وہ فرشتے ہیں جو دیگر فرشتوں پر نگراں مقرر کئے گئے ہیں۔(۱)

یہ فرشتے دنیا میں کیوں آتے ہیں؟ علامہ آلوسیؒ نے نقل کیا ہے کہ یہ اس لیے آتے ہیں کہ اس رات میں عبادت کرنے کا جو ثواب اللہ نے رکھا ہے یہاں آ کر اس کو پائیں، کیونکہ لیلۃ القدر کا یہ ثواب دنیا میں مقرر ہے، لہذا وہ آسمانوں سے اتر کر یہاں آتے اور عبادات میں مشغول ہو کر ثواب حاصل کرتے ہیں جیسے ہم میں سے بعض لوگ مکہ جا کر زیادہ ثواب حاصل کرتے ہیں، اور علامہ عصام الدین نے فرمایا کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فرشتے یہاں اس لیے آتے ہیں کہ لیلۃ القدر کو پالیں، کیونکہ

---

(۱) روح المعانی: ۲۲۵/۳۰

لیلۃ القدر آسمانوں پر نہیں ہوتی ،اللہ تعالی نے اس جگہ فرشتوں کے نزول کا ذکر کر کے انسانوں کو ترغیب دی ہے کہ جب اللہ کے فرشتے آسمانوں سے اس کو پانے یہاں آتے ہیں تو تم یہیں رہ کر محروم کیوں ہوتے ہو؟ لہذا تم بھی عبادت میں مشغول رہو۔

روح المعانی میں ایک حدیث بحوالہ غنیۃ الطالبین نقل کی گئی ہے کہ لیلۃ القدر میں اللہ کے حکم سے حضرت جبرئیلؑ سدرۃ المنتہی کے ستر ہزار فرشتوں کے ساتھ زمین پر آتے ہیں اور ان سب کے ہاتھوں میں نور کی جھنڈیاں ہوتی ہیں یہ فرشتے ان جھنڈیوں کو چار مقامات پر گاڑ دیتے ہیں، کعبۃ اللہ کے پاس، نبی کریم ﷺ کی قبر کے پاس، بیت المقدس کے پاس اور کوہِ طور کے پاس، پھر حضرت جبرئیلؑ حکم دیتے ہیں کہ زمین پر منتشر ہو جاؤ، پس یہ فرشتے منتشر ہو جاتے ہیں اور ہر جگہ پہنچ جاتے ہیں۔کوئی گھر کوئی پتھر، کوئی کشتی نہیں چھوڑتے جہاں کوئی مومن بندہ یا مومنہ بندی ہو۔سب جگہ چلے جاتے ہیں مگر اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا ہو یا خنزیر ہو، یا شراب ہو یا زنا کر کے کوئی ناپاک آدمی ہو یا جاندار کی تصویر ہو، یہ فرشتے اللہ کی تسبیح و تقدیس بیان کرتے اور امت محمدیہ کے لیے استغفار کرتے ہیں، جب صبح ہو جاتی ہے تو آسمانوں کی طرف چلے جاتے ہیں، (پھر آگے چل کر ہے) اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میں نے امت محمدیہ کے لیے میرے پاس ایسی چیزیں رکھی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی بشر کے قلب پر اس کا خطرہ گذرا۔(۱)

غرض یہ اللہ کے فرشتے آسمانوں سے آتے اور امت کے لیے دعا کرتے اور استغفار کرتے ہیں، یہ بڑی عظیم خصوصیت لیلۃ القدر کی ہے۔

---

(۱) روح المعانی:۳۰/۲۲۵

تقدیری فیصلوں کا اظہار:

لیلۃ القدر کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں بندوں کی تقدیر کے فیصلے، فرشتوں کے سامنے ظاہر کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا﴿مِنْ كُلِّ اَمرٍ﴾اس کی تفسیر میں صاحب روح المعانی نے لکھا ہے:

ای من أجل كل أمر تعلق به التقدير في تلك السنة الى قابل و أظهره سبحانه و تعالیٰ لهم. قاله غير واحد.(۱)

یعنی یہ فرشتے نازل ہوتے ہیں ہر اس امر کی وجہ سے جس کا تعلق اس سال سے آئندہ سال تک کی تقدیر سے ہو اور اللہ تعالیٰ نے ان فرشتوں پر اس کو ظاہر کیا ہو، یہ بات بہت سے علماء نے بیان کی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس رات اللہ تعالیٰ بندوں کے متعلق تقدیری فیصلے جو اس سال سے آئندہ سال تک کے لیے ہوتے ہیں، ان کو فرشتوں کے سامنے ظاہر فرما کر ان کے حوالہ کر دیتے ہیں تا کہ وہ ان کا نفاذ کریں، سورۂ دخان میں بھی اس کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

﴿فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمرٍ حَكِيمٍ﴾. [سورۂ دخان:۴]

اس رات میں ہر حکمت والے معاملے کا فیصلہ کیا جاتا ہے

اس کی تفسیر میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں ''اس رات (یعنی شب قدر) میں ہر حکمت والا معاملہ ہماری پیشی سے حکم (صادر) ہو کر طے کیا جاتا ہے (یعنی سال بھر کے معاملات جو سارے کے سارے ہی حکمت پر مبنی ہوتے ہیں جس طرح انجام دینے اللہ کو منظور ہوتے ہیں، اس طریقے کو متعین کر کے ان کی اطلاع متعلقہ فرشتوں کو کر کے ان کے سپرد کر دیئے جاتے ہیں)۔(۲)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

---

(۱) روح المعانی: ۲۲۷/۳۰ (۲) بیان القرآن: ۴۹۶/۲

یعنی اس رات میں ہر حکمت والا معاملہ کا فیصلہ ہماری طرف سے کیا جاتا ہے، جس کے معنے حضرت ابن عباسؓ نے یہ بیان فرمائے ہیں کہ یہ رات جس میں نزول قرآن ہوا، یعنی شب قدر، اسی میں مخلوقات کے متعلق تمام اہم امور جن کے فیصلے اس سال میں اگلی شب قدر تک واقع ہونے والے ہیں طے کئے جاتے ہیں کہ کون کون اس سال پیدا ہونگے، کون کون آدمی اس میں مریں گے، کس کو کس قدر رزق اس سال میں دیا جائے گا، یہی تفسیر دوسرے ائمہ تفسیر حضرت قتادہ، مجاہد، حسن وغیرھم سے بھی منقول ہے۔(۱)

اوپر یہ لکھ چکا ہوں کہ یہ بات بقول ابن حجر، حضرت مجاہد، حضرت قتادہ، حضرت عکرمہ وغیرھم سے اسانید صحیحہ سے مروی ہے۔

اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ لیلۃ القدر فیصلوں کی رات ہے اور اللہ کے فرشتے اس رات ان فیصلوں کو لیکر دنیا میں آتے ہیں۔

ایک شبہ کا جواب:

یہاں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ شب برأت کے سلسلہ میں مشہور ہے کہ اس میں فیصلے ہوتے ہیں اور یہاں بتایا گیا ہے کہ لیلۃ القدر میں فیصلے ہوتے ہیں۔

جواب یہ ہے کہ شب برات میں فیصلوں کا ہونا بھی بعض احادیث میں وارد ہوا ہے اور ان میں سے اکثر روایات اگر چہ ضعیف ہیں تاہم ان سب کا مجموعہ قوی ہے جیسا کہ میں نے اس کی تحقیق اپنے ایک رسالہ ’’ احکام شعبان وشب برات‘‘ میں کردی ہے اور ایک روایت ابن حجرؒ کے حوالہ سے صالح للا حتجاج بھی پیش کی ہے، اور دونوں راتوں میں فیصلے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایک رات میں فیصلے ہوتے ہیں اور ایک میں ان فیصلوں کا نفاذ ہوتا ہے۔

---

(۱) معارف القرآن: ۷/۷۵۷

سلامتی کا نزول:

پانچویں خصوصیت لیلۃ القدر کی یہ ہے کہ اس رات کو سلامتی کی رات بتایا گیا ہے۔فرمایا: ﴿سَلَامٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ﴾

(یہ رات صبح طلوع ہونے تک سلامتی ہی سلامتی ہے)

مفسرین نے لکھا ہے کہ اس رات میں صرف سلامتی کے فیصلے ہوتے ہیں اور حضرت مجاہد نے فرمایا کہ یہ رات شیطان کی اذیت سے سالم ہوتی ہے، یعنی اس میں شیطان کسی کو تکلیف نہیں دے سکتا اور نہ وہ باہر نکل سکتا ہے۔(۱)

بعض نے فرمایا کہ یہ رات دوزخ اور قیامت کی ہولنا کیوں سے نجات و سلامتی دینے والی ہے وہ اس طرح کہ اس میں عبادت کرنے پر تمام گناہوں کی مغفرت کا وعدہ ہے،تو جو عبادت کرے گا وہ مغفور ہوگا اور جہنم سے محفوظ ہوگا۔

بعض نے فرمایا کہ اس رات اللہ کے فرشتے اہل اسلام کو سلام کرتے ہیں۔ اس لیے اس کو سلامتی کی رات کہتے ہیں۔یہ پانچ خصوصیات لیلۃ القدر کی ہیں۔

لیلۃ القدر اور اختلافِ مطالع:

یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ لیلۃ القدر کیا ہر جگہ ایک ہی وقت پر ہوتی ہے یا الگ الگ وقتوں پر ہوتی ہے،اس شبہ کی بنیاد اختلافِ مطالع ہے، کیونکہ دنیا میں ایک وقت کسی جگہ رات ہوتی ہے تو دوسری جگہ دن ہوتا ہے، نیز کسی جگہ فجر طلوع ہوجاتی ہے اور دوسری جگہ ابھی رات کا حصہ باقی رہتا ہے،بعض جگہ رات داخل ہوجاتی ہے اور دوسری جگہ ابھی دن باقی رہتا ہے،تو سوال یہ ہے کہ لیلۃ القدر سب جگہ ایک ہی وقت ہو تو کسی جگہ رات کو ہوگی اور کسی جگہ دن کو،اور دن کو لیلۃ القدر کیسے ہوسکتی ہے،وہ لیلۃ القدر نہ ہوئی بلکہ یوم القدر ہوا؟

---

(۱) روح المعانی: ۳۰/ ۲۲۷

اس پر حضرت علامہ آلوسی نے روح المعانی میں طویل بحث کی ہے، زیادہ صاف بات یہ ہے کہ لیلۃ القدر ہر علاقے میں اپنے اپنے وقت پر آتی ہے، ایک ہی وقت پر نہیں آتی، مثلاً کسی جگہ مغرب کا وقت ہوگیا اور لیلۃ القدر داخل ہوگئی اور دوسری جگہ ابھی مغرب کا وقت نہیں آیا تو یہاں ابھی لیلۃ القدر کا آغاز نہیں ہوا، جب مغرب ہوگی تو لیلۃ القدر کا آغاز ہوگا۔ (وعلیٰ ھذ القیاس)

لیلۃ القدر میں کیا کرنا چاہئے:

لیلۃ القدر جس کی یہ فضیلتیں اور بڑائیاں بیان ہوئیں، ہمیں اس میں کیا کرنا چاہیئے؟ اس میں ایک کام یہ کرنا ہے کہ اللہ کی عبادت میں مشغول رہیں۔

حدیث میں ہے کہ جو لیلۃ القدر میں قیام کرے ایمان وثواب کی نیت کے ساتھ تو اس کے سارے پچھلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ (۱)

دوسرے یہ کہ چونکہ لیلۃ القدر کب آتی ہے، اس کا علم نہیں، لہٰذا اس کو تلاش کرنے کے لیے اعتکاف کرے جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ کا معمول تھا۔

تیسرے یہ کہ اس کا علم ہوجائے تو اللہ سے بخشش ومعافی کا سوال کرے (۲) یہ الفاظ ہوں تو بہتر ہے:

(اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنَّا)

اے اللہ! تو معاف کرنے والا ہے، معافی کو پسند کرتا ہے، لہٰذا ہم کو معاف فرما۔

بعض علماء نے یہ فرمایا کہ اس رات میں دعا کرنا سب سے افضل ہے۔ (واللہ اعلم)

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور سارے مسلمانوں کو اس عظیم دولت سے مالا مال فرمائے، آمین۔

---

(۱) بخاری: ۳۴، (۲) ترمذی: ۳۴۳۵

اسلامی عید کا امتیاز

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل اسلام پر جو نعمتیں ورحمتیں مقدر ومقرر ہیں، ان میں سے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دو دن بھی ہیں، جو اہل اسلام کی مسرت وخوشی اور فرحت وانبساط کے لیے عطا کئے گئے ہیں، ویسے تو ہر قوم اور ہر ملت کے پاس عید کے دن مقرر ہیں اور ان میں وہ خوشی مناتے ہیں، مگر اسلامی عید، ایک خاص شان کی حامل ہے جو اس کو دیگر اقوام ومِلل کی عیدوں اور تہواروں سے ممتاز کرتی ہے۔

اسلامی عید کا امتیاز:

اسلامی عید کا سب سے پہلا امتیاز یہ ہے کہ ساری قومیں، کھیل تماشے اور لہو ولعب کو عید قرار دیتے ہیں اور اسلامی عید میں خدا کی عبادت واطاعت اور اس کا ذکر وفکر اصل ومقصود ہے۔ چنانچہ احادیث میں ہے:

إن النبی ﷺ خرج یوم الفطر فبدأ بالصلوۃثم خطب الناس بعد فلما فرغ فأتی النساء فذکّرھن. (۱)

آپ ﷺ عید کے دن سب سے پہلے اللہ کے حضور دوگانہ پیش کرتے پھر لوگوں کو دین وشریعت کے احکام سے آگاہ فرماتے، مردوں سے فارغ ہوکر آپ عورتوں کو بھی وعظ ونصیحت فرماتے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے:

إن رسول اللہ ﷺ کان یکبّریوم الفطرمن حین یخرج من بیتہ حتی یاتی بالمصلی. (۲)

آپ ﷺ عید کے دن گھر سے عیدگاہ جانے تک (اللہ کی بڑائی وعظمت کے

(۱) بخاری، ۱/۱۳۱، (۲) دارقطنی: ۲/۴۴

مظاہرہ کے لیے) اللہ اکبر اللہ اکبر کی تکبیر بلند فرماتے۔

ان تمام باتوں کو مدنظر رکھئے تو اندازہ ہوگا کہ اسلامی عید نام ہے اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہوجانے، اس کے احکام واوامر کی طرف توجہ کرنے اور متوجہ کرانے اوران کی تعمیل کے لیے کمر بستہ ہوجانے اوراس کے ذکر میں سرشار رہنے کا۔

اس کے برخلاف، جاہلی اقوام کی عید، محض کھیل تماشا اور من مانی رسومات و خرافات کا نام ہے۔

مسلمانوں کی عید اللہ کا عطیہ ہے:

اوراس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اورلوگوں کی عیدیں اورتہوار، ان کے خودساختہ اصول اورمن مانی رسوم کی پیداوار ہیں، اس کے پیچھے کوئی خدائی حکم و ہدایت موجود نہیں، اس کے برعکس اہل اسلام کی عید خدا کی طرف سے مشروع ومقرر ہوئی ہے اور بطور عطیہ وتحفہ عطا فرمائی گئی ہے۔ چنانچہ ابوداؤد میں حدیث ہے:

قدم رسول الله ﷺ المدينة ولهم يومان يلعبون فيهما فقال: ما هذان اليو مان قالوا كنا نلعب فيهما فى الجا هليةفقال رسول اللّٰه ﷺ إن اللّٰه أبدلكم بهما خيراًمنهما يو م الأضحى ويوم الفطر.

کہ جب نبی کریم ﷺ مدینہ تشریف لائے تو دیکھا کہ وہاں کے لوگ دودن عید مناتے ہیں، جن میں خوب کھیلتے اورناچتے ہیں، آپ نے پوچھا کہ یہ دودن کیا ہیں (جن میں تم خوشی مناتے ہو؟) انہوں نے اس کے جواب میں کہا کہ جاہلیت کے زمانہ سے ہم ان دونوں دنوں میں (عید مناتے) اورکھیلتے ہیں، آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ نے ان دودنوں کے بدلہ تم کو ان سے بہتر دن عطا فرمائے ہیں، ایک عید الاضحیٰ اوردوسرے عید الفطر۔(۱)

(۱) ابوداؤد: ۱/۱۶۱

اس حدیث میں غور کیجئے کہ زمانۂ جاہلیت کے ایامِ عید کی حقیقت مدینہ والے صرف یہ بتا سکے کہ ہم جاہلیت کے زمانہ ہی سے ان میں کھیلتے کودتے آرہے ہیں، یہ عید کا خلاصہ تھا، کیوں؟ اس لیے کہ یہ حکم خداوندی اور فرمان نبوی کی بنیاد پر نہ تھی، بلکہ من مانی عید تھی، اللہ کے نبی علیہ السلام نے اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کے لیے دو دن مقرر فرمائے اور اللہ کی طرف سے مقرر فرمائے اور ان ایام کو خیر وخوبی والے ایام قرار دیا، یہ اسلامی عید کی دوسری خصوصیت اور دوسرا امتیاز ہے۔

روحانی مسرت:

تیسرا امتیاز یہ ہے کہ دیگر اقوام کی عید محض ظاہری مسرت وخوشی کا نام ہے، اس لیے وہ صرف کھانوں اور کپڑوں کی عمدگی ونفاست میں اپنی عید سمجھتے ہیں، اگر عمدہ کھانا نہ ہو اور عمدہ کپڑے نہ ہوں تو ان کی عید عید نہیں اور اہل اسلام کی عید نہ کھانوں پر موقوف اور نہ کپڑوں کی محتاج اور نہ زیب وزینت کی طالب، وجہ یہ ہے کہ ان کی عید تو روح کو خوشی ومسرت کا پیغام دیتی ہے اور یہ اللہ کی طرف سے رضا اور مغفرت کا پروانہ ملنے کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے:

کہ عیدگاہ جانے والوں اور عید منانے والوں کو اللہ تعالیٰ اس طرح لوٹاتے ہیں کہ اللہ ان سے راضی ہوتا ہے اور سارے گناہ بخش دیتا ہے۔(۱)

یہ ہے اصل خوشی ومسرت جو بندۂ مومن کو عید کے دن حاصل ہوتی ہے۔

اصل عید کیا ہے؟

اسی لیے حضرت علیؓ نے فرمایا کہ عید تو اس کی ہے جس کے روزوں کو اللہ نے قبول کرلیا اور جس کی نماز کو منظور فرمالیا اور ہر وہ دن جس میں خدا کی نافرمانی نہ کی جائے، وہ عید کا دن ہے۔(۲)

---

(۱) مشکوۃ:۱۸۲ (۲) شرح نہج البلاغۃ:۹۴۳

اور بعض حضرات نے عید کی اصل وحقیقت کو بڑے عمدہ اسلوب میں یوں بیان کیا ہے کہ:

لیس العیدلمن لَبِس الجدید　　انماالعیدُلمن اَمِنَ من الوعید

لیس العید لمن تبخر بالعود　　انما العیدُ لمن تاب ولا یعود

لیس العید لمن تزیّن بزینۃ الدنیا　　انما العید لمن تزوّد بزادالتقوی

لیس العید لمن رکب ا لمطایا　　انما العید لمن ترک الخطایا

(ترجمہ) یعنی عید اس کی نہیں جس نے نیا لباس پہنا بلکہ عید تو اس کی ہے جو وعید وعذاب سے بچ گیا، اور عید اس کی نہیں جو عود کی خوشبو سے معطر ہو گیا بلکہ عید اس کی ہے جس نے توبہ کیا اور پھر گناہ نہ کیا، اور عید اس کی نہیں جس نے دنیوی زینت سے اپنے کو مزین کرلیا بلکہ عید تو اس کی ہے جس نے تقوی کا توشہ تیار کرلیا، اور عید اس کی نہیں جو سواریوں پر سوار ہوا بلکہ عید اس کی ہے جو گناہوں کو ترک کردے۔

ایک بزرگ نے اپنے شہر میں لوگوں کو عید کے دن کھیل کود کرتے اور رنگ برنگے کپڑوں میں گھومتے پھرتے دیکھا اور وہ اس حال میں بھی علام الغیوب سے ایک لمحہ بھی بے خبر نہ ہوتے تھے اور انہوں نے اس موقعہ پر عید کی حقیقت سے متعلق یہ عجیب وغریب اشعار پڑھے:

الناس کلھم للعید قد فرحو ا　　وقد فرحت انا بالواحد الصمد

الناس کلھم للعید قد صبغوا　　وقد صبغت ثیاب الذل والکمد

الناس کلھم للعید قد غسلوا　　وقد غسلت انا بالدمع للکبد

ترجمہ: سارے انسان عید کی خوشی منا رہے ہیں اور میں اللہ واحد الصمد سے خوش ہوں، سارے لوگ عید کے لیے خوشبوئیں لگا کر آئے ہیں اور میں نے ذلت اور بدلی ہوئی رنگت والے کپڑوں کا رنگ لگا لیا ہے، سارے لوگ عید کے لیے غسل

کر کے آئے ہیں اور میں نے دل کو آنسوؤں سے غسل دیا ہے۔(۱)

غرض یہ ہے کہ اصل عید تو ان کو حاصل ہوتی ہے جنہوں نے عید کے دن اللہ کی طرف سے مغفرت ومعافی کا پروانہ حاصل کرلیا، نہ کہ ان کو جو صرف کپڑوں کی، کھانوں کی اور زیب وزینت کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔

اسلامی عید میں اتحاد کا مظاہرہ:

اسلامی عید جو ہماری روحانی مسرتوں اور شادمانیوں کا سب سے بڑا موقعہ ہے، یہ ہر سال آتی اور اپنی بہار دکھا کر چلی جاتی ہے، مگر اس کی طرف بغور دیکھنے سے اور اس سلسلہ کی تعلیمات پر توجہ دینے سے معلوم ہوگا کہ وہ ہمیں ان مسرتوں اور شادمانیوں کے ساتھ ایک خاص پیغام بھی دیتی ہے۔

حکم یہ ہے کہ عید کی نماز سارے شہر والے کسی ایک جگہ جمع ہوکر پڑھیں، اگرچہ ضرورت کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ ایک شہر میں متعدد جگہ عید ادا کی جائے، مگر یہ ایک ضرورت کی بناء پر ہے، ورنہ اصل حکم یہی ہے کہ سب ایک جگہ جمع ہوں، کالے بھی اور گورے بھی، غریب بھی اور مالدار بھی، بادشاہ بھی اور محکوم بھی، اونچے طبقہ والے بھی اور نچلے طبقہ والے بھی، عالم بھی اور جاہل بھی، غرض بلا کسی تفریق واختلاف کے تمام کے تمام مسلمان ایک جگہ جمع ہوں، پھر ایک اللہ کے سامنے، ایک نبی کے طریقہ پر، ایک امام کی متابعت واقتداء میں سب کے سب نماز ادا کریں، نہ کوئی بندہ رہے نہ بندہ نواز، سب کے سب ایک ہی طریقہ کی صفوں میں کھڑے ہوں۔

یہ نماز عید کا پرشکوہ وحسین منظر ایک طرف حسن ترتیب وحسن عمل کی بناء پر دعوت نظارہ دیتا ہے تو دوسری طرف اہل اسلام کے اتحاد ویکسانیت کے پرشکوہ مظاہرہ کی وجہ سے غیر اقوام کے دلوں میں رعب وہیبت پیدا کر دیتا ہے، یہ ہے عید کی

---

(۱) بحر الدموع مترجم: ۲۹

مشروعیت کا ایک اہم ترین مقصد۔حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ اس کا ایک مقصد مقاصد شرع میں سے یہ ہے کہ ہر ملت اپنی شان وشوکت اور اپنی کثرت کو ظاہر کرنے کے لیے ایک جگہ جمع ہوتی ہے،اسی طرح عید کو مشروع کر کے ان کی شان وشوکت و کثرت کا مظاہرہ کرایا جاتا ہے۔(۱)

عیدگاہ جانے اور آنے کی ایک عجیب سنت:

اور یہی اتحاد وقوت وشوکت اور کثرت کا مظاہرہ ہے جس کے لیے نبی کریم ﷺ نے یہ طریقہ اور سنت اختیار فرمائی اور ہمارے لیے مشروع فرمائی کہ جب عیدگاہ جاتے تو ایک راستہ اختیار کرتے اور واپس آتے تو دوسرے راستے سے آتے تھے۔(۲)

اس کی متعدد حکمتیں اور وجوہات علماء نے بیان کی ہیں۔

ان میں سے ایک وجہ یہ ہے جو ابھی عرض کی گئی کہ جب ایک راستہ سے جائیں گے اور دوسرے سے آئیں گے تو ہر راستہ پر مسلمان ہی مسلمان نظر آئیں گے اور اس سے کفار کے قلوب پر رعب ودبدبہ قائم ہوگا اور مسلمانوں کی کثرت وشوکت اور ان کی قوت وطاقت کا مظاہرہ ہوگا۔

توجہ کے قابل:

اب غور فرمایئے کہ اسلام ہماری عید کے ذریعہ ہماری قوت وطاقت کا سکہ غیر اقوام پر بٹھا دینا چاہتا ہے اور ہماری شوکت وعظمت کا مظاہرہ کرانا چاہتا ہے مگر ہم آپس کے اختلافات اور معمولی باتوں پر ایک دوسرے کی مخالفت اور اختلافی مسائل کی بنیاد پر ایک دوسرے کی تفسیق وتکفیر، توہین وتذلیل کرکے اپنی ساری قوت وطاقت کو توڑنے میں مشغول ہیں اور اپنی کمزوری کا مظاہرہ کررہے ہیں، بلکہ بعض

---

(۱): حجۃ اللہ البالغۃ:۲/۳۱ (۲) بخاری:۱/۱۳۱

لوگ امت میں تفریق کرنے اور آپس میں اتحاد کو توڑنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں، اشتہارات و پمفلٹوں کے ذریعہ فتنہ پروری میں لگے ہوئے ہیں، کسی کو کافر کہکر، مرتد و زندیق کہکر لوگوں کے دلوں میں بغض وعداوت پیدا کرنے میں لگے ہوئے ہیں، کبھی مباحثہ اور مناظرہ کی دعوت دیکر اور کبھی گالیوں اور دھمکیوں سے کام لیکر امت میں انتشار پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ذرا اللہ کے لیے تو سوچو کہ یہ کام امت کو کس قدر کمزور کر رہا ہے۔

لہٰذا عید کے اس مبارک موقعہ پر ہمیں ہماری قوت و شوکت کا، عظمت و طاقت کا بھرپور مظاہرہ کرنا چاہئے۔

❁ فسطائیت کا جواب:

اور یہ تمام فسطائی قوتوں اور طاقتوں کا جواب لاجواب ہے، یہ ان کی کمر توڑ دیگا، ان کے منصوبوں پر پانی پھیر دے گا، ان کے قلوب میں دبدبہ و رعب بٹھا دیگا، آج ساری فسطائی طاقتیں مسلمانوں اور اسلام کے خلاف برسر پیکار ہیں، وہ چاہتی ہیں کہ مسلمان کمزور ہوں، ان کے درمیان پھوٹ پڑ جائے اور ان کی طاقت ٹوٹ جائے، ایسے موقعہ پر تو ہمیں چاہیئے کہ ہماری قوت و طاقت اور اتحاد و اتفاق کا مظاہرہ کریں، عید کے ذریعہ ہمیں یہی سبق دیا گیا ہے ورنہ محض عبادت تو مسجدوں میں بھی ہوسکتی ہے اور گھروں میں بھی ہوسکتی ہے۔

اللہ کرے کہ ہمیں یہ سبق یاد ہو جائے اور ہم اسلام کی بلندی کی خاطر اتفاق و اتحاد کی راہ اپنائیں۔ (آمین یارب العالمین)

عید کی تیاری اور ہماری بے اعتدالی

❁ تمہید:

ابتدائے آفرینش سے اب تک برابر اور تسلسل کے ساتھ روحانیت سے

مادیت ٹکرانے اور اس کو مغلوب کرنے کی کوشش میں ہے، اور جب تک روحانیت کے دعویدار، صرف دعویدار نہیں بلکہ درحقیقت روحانیت کے علمبردار بھی رہے، مادیت کو غالب آنے کا موقعہ نہ ملا، اور وہ ہمیشہ ایسے مواقع پر ناکام اور مغلوب ہی ہوئی اور رہی، مگر جب روحانیت کے علمبردار یکے بعد دیگرے اپنے اصلی مقام کی طرف کوچ کر گئے اور سوائے چند کے سب کے سب صرف دعویدار رہ گئے، جن کی زبانوں پر تو روحانیت کے گیت اور ترانے ہیں مگر دل اس کی حقیقت وعظمت سے خالی، تو مادیت کو سر اٹھانے اور نہ صرف سر اٹھانے بلکہ روحانیت پر چڑھ بیٹھنے کا بھی بھرپور موقعہ مل گیا، اور پھر اس نے اس قدر غلبہ اور تسلط حاصل کرلیا کہ لوگ مادیت ہی کو روحانیت سمجھ بیٹھے۔

میں اس کی مثال میں عنوان کی مناسبت سے ''عید'' کو پیش کرتا ہوں کہ عید دراصل کیا تھی؟ اور آج ہم نے اس کا کیا تصور قائم کرلیا ہے، ہمارے نزدیک عید کپڑوں اور کھانوں، کھیل، تماشوں، سیر اور تفریح بازیوں کا نام ہے جو سب کی سب مادی اور فانی چیزیں ہیں، جبکہ اسلام عید کا جو تصور پیش کرتا ہے وہ روحانیت سے ہمکنار کرتا ہے، پھر اس غلط تصور کے نتیجہ میں کیا کیا بے اعتدالیاں اور گمراہیاں پھیل رہی ہیں، یہ ایک طویل الذیل داستاں ہے، میں اس مختصر تحریر میں انہی باتوں کی طرف کچھ اشارے دینا چاہتا ہوں، اللہ تعالےٰ مسلمانوں کو حقیقت کے سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

❁ اسلامی عید کی حقیقت:

سب سے پہلے یہ سمجھ لینے کی ضرورت ہے کہ اسلامی عید کی حقیقت کیا ہے؟ ایک حدیث سے اس پر بخوبی روشنی پڑتی ہے، ایک طویل حدیث میں ہے کہ جب عید کی صبح ہوتی ہے تو حق تعالےٰ شانہ فرشتوں کو تمام شہروں میں بھیجتے ہیں اور فرشتے

اتر کر تمام گلیوں اور راستوں پر کھڑے ہو جاتے اور پکار کر کہتے ہیں کہ اے امتِ محمد یہ اس کریم رب کی درگاہ کی طرف چلو جو بہت زیادہ عطا فرمانے والا ہے اور بڑے بڑے قصور معاف کر دیتا ہے، پھر جب لوگ عیدگاہ کی طرف نکلتے ہیں تو حق تعالےٰ فرشتوں سے پوچھتے ہیں کہ اس مزدور کا کیا بدلہ ہے جس نے پورا کام کیا ہو؟ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اس کا بدلہ یہ ہے کہ اس کی مزدوری پوری دی جائے، اس پر حق تعالےٰ فرماتے ہیں کہ اے فرشتو! گواہ رہو کہ میں نے رمضان کے روزے اور تراویح کے بدلہ ان لوگوں کو اپنی رضا اور مغفرت عطا کر دی، پھر آخر حدیث میں ہے کہ اللہ تعالےٰ بندوں سے فرماتے ہیں کہ اب تم بخشے بخشائے لوٹ جاؤ، میں تم سے راضی ہو گیا۔(۱)

اس حدیث پر غور کیجئے کہ اس سے عید کی حقیقت کیا نکلتی ہے:

☆ پہلی بات اس سے یہ معلوم ہوئی کہ فرشتے اس دن پکار کر کہتے ہیں کہ اپنے رب کی طرف چلو جو بہت زیادہ عطا کرنے اور بڑے گناہوں کو بھی بخش دینے والا ہے۔

☆ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ عیدگاہ جانے والوں کو اپنی رضا اور مغفرت کا پروانہ عطا فرماتے ہیں۔

مگر یہ سب کن لوگوں کے لیے؟ ان کے لیے جنہوں نے رمضان میں کام پورا کر دیا ہو اور روزے اور تراویح کا اہتمام کیا ہو، جیسا کہ خود حدیث سے ظاہر ہے۔

ان سب باتوں کو ملانے سے پتہ چلا کہ عید دراصل رمضان کی طاعتوں اور نیکیوں کا بدلہ دیئے جانے کا دن ہے اور وہ بدلہ دو چیزوں کی شکل میں ملتا ہے۔

ایک یہ کہ گناہوں کی مغفرت کر دی جاتی ہے، دوسری اللہ کی رضامندی حاصل ہوتی ہے اور اسی اللہ کی رضامندی اور مغفرت پر خوش ہو جانے اور مسرت

---

(۱) مشکوۃ :۱۸۱

منانے کوعید کی خوشی کہا جاتا ہے۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا ارشاد:

اسی حقیقت کو علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے بڑے بلیغ انداز میں پیش کیا ہے۔
وہ فرماتے ہیں:

''عید خوشی اور مسرت کا نام ہے اور اہل دنیا کے نزدیک ہر قسم کا سرور و انبساط اور ہر طرح کی فرحت و ابتہاج عید کے مترادف ہے، لیکن شریعت مقدسہ اور ملت بیضاء کی نظر میں عید اس مسرت و خوشی کو کہتے ہیں جو نعماءِ ربّانی و کرم ہائے الٰہی کے شکر اور اس کے فضل و جود پر ادائے نیاز کے لیے کی جاتی ہے، دنیا خود فانی ہے اور اس کے باغ و بہار فانی، پھر اس پر کیا مسرت و انبساط؟ جس سرور کے بعد غم ہو اور جس خوشی کے بعد غم ہو، تو ایسے سرور کو عید کہنا ہی غلط ہے۔''(۱)

حاصل یہ کہ اسلامی عید تو اللہ کی عظیم نعمتوں جیسے رضا و مغفرت اور پھر اس سے قبل نیکیوں کی توفیق پر خوشی اور مسرت کا نام ہے، نہ کہ دنیا کی فانی چیزوں پر خوشی و مسرت کا نام جیسے کھانوں، کپڑوں، زیب و زینت کی چیزوں، سیر و تفریح بازیوں کی خوشی، یہ اہل دنیا کی اور مادیت پرستوں کی عید ہے، اور روحانیت کے علمبرداروں کی عید ان مادی و فانی چیزوں میں نہیں، رضاء و مغفرت کی روحانی نعمتوں میں ہے۔

اسلامی عید کی تیاری:

اس کے بعد اب اس پر توجہ دینی ہے کہ اس عظیم الشان عید کی تیاری کیا اور کیسی ہونی چاہیئے؟ ظاہر ہے کہ اس کی تیاری اس طرح ہونا چاہیئے کہ رمضان مبارک کی نور بار گھڑیوں اور مبارک ساعتوں کو اللہ کی رضا جوئی، خوف و خشیت الٰہی، عبادت و

---

(۱) ملفوظات محدث کشمیریؒ:۳۵۲

طاعت ، جود وسخاوت ، ذکر وتلاوت ، روزہ اور نماز، تراویح و اعتکاف میں خرچ کیا جائے اور تقوٰی وطہارت کی اسپرٹ اور روح اپنے اندر پیدا کر لی جائے ، تا کہ عید کے دن جب درگاہِ خداوندی میں حاضری ہوتو محنتی مزدوروں میں ہمارا شمار ہواور ہمیں پوراپورا اجر وبدلہ یعنی رضا ومغفرت کا پروانہ مل جائے اور ہم کام چور مزدوروں میں شمار ہوکر مردود نہ ہو جائیں۔

❁ عید محنتی مزدوروں کا بدلہ:

کیونکہ اوپر جس حدیث کا حوالہ دیا گیا ہے اس میں یہ بات موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے پوچھتے ہیں کہ:

''اس مزدور کا کیا بدلہ ہے جس نے کام پورا کیا ہو؟''

معلوم ہوا کہ بدلہ اس مزدور کو دیا جاتا ہے جس نے کام کیا ہواور جس نے لاپروائی وغفلت شعاری کا مظاہرہ کیا ہو، وہ اس قابل ہی نہیں ٹھہرتا کہ اس کو بدلہ دیا جائے ، دنیا میں بھی یہی قاعدہ واصول جاری ہے کہ محنتی مزدور کو اجرت دی جاتی ہے۔ بلکہ زیادہ محنتی ہوتو اجرت کے علاوہ انعام بھی دیا جاتا ہے اور جو مزدور کام نہ کرے اس کو اجرت تو کیا دی جاتی بلکہ الٹا عتاب ہوتا ہے کہ کام کیوں نہ کیا؟

اسی طرح ہم سب مزدور ہیں اللہ تعالیٰ کے، رمضان میں ہم پر کچھ ذمہ داری رکھی گئی ہے، اگر اس کو پورا کیا گیا تو اجرت وانعام ملے گا ورنہ عتاب وعذاب ہوگا۔

❁ عید ہماری ذمہ داری اور ڈیوٹی:

رمضان میں ہم پر کیا ذمہ داری عائد کی گئی ہے؟

اس میں ایک ذمہ داری تو روزوں کی ہے کہ اللہ نے روزہ کو فرض قرار دیا ہے۔ دوسری ذمہ داری رات میں قیام یعنی تراویح کی ہے جو سنت مؤکدہ ہے۔ تیسرے

آخری عشرہ کا اعتکاف ہے جو علی الکفایہ سنت مؤکدہ ہے۔ ان کے علاوہ نفلی طور پر تلاوت کلام اللہ اور ذکر اللہ وغیرہ بھی ہیں۔ یہ تو کرنے کے کام ہیں۔ اور بعض کام ایسے بھی ہمارے ذمہ ہیں جو نہ کرنے کے ہیں، جھوٹ، غیبت، لڑائی و جھگڑا وغیرہ حرام و ناجائز کاموں سے بچنا اور پرہیز کرنا بھی لازم و ضروری اور ہماری ذمہ داری ہے۔

اگر کوئی شخص ان ذمہ داریوں کو نباہتا اور پورا کرتا ہے تو وہ ''اللہ کا محنتی مزدور'' ہے اور عید کے دن بھر پور بدلہ پانے کا مستحق ہے اور جو شخص ان ذمہ داریوں کو انجام نہیں دیتا، وہ اس کا مستحق نہ ہوگا کہ بدلہ دیا جائے کیونکہ وہ محنتی مزدور نہیں ہے۔

حضرت علیؓ کا ارشاد:

اسی بات کو حضرت علیؓ نے فرمایا ہے جس کو نہج البلاغۃ میں جو کہ آپ کے ملفوظات و مواعظ کا مجموعہ کہا جاتا ہے، اس میں نقل کیا ہے۔

آپ نے کسی عید کے موقعہ پر فرمایا:

انما العیدُ لمن قَبِلَ اللہ صیامہ و شکر قیامہ و کل یوم لایعصی اللہ فیہ فھو عید(۱)

(عید تو اس کی ہے جس کے روزوں کو اللہ نے قبول فرمالیا ہو اور اس کی نماز کو منظور کرلیا ہو اور ہر وہ دن جس میں اللہ کی نافرمانی نہ کی جائے وہ عید کا دن ہے)

معلوم ہوا کہ جس نے روزوں کا حق ادا کر کے ان کو اس قابل بنا دیا کہ وہ خدا کی نظر میں مقبول ہوں اور نمازوں کے حقوق کی رعایت کر کے ان کو ایسا بنا دیا کہ خداوند تعالیٰ کے یہاں شرف قبولیت سے نوازی جائیں، تو عید کا دن اس کے لیے حقیقی مسرت کا دن ہوگا، اسی طرح بندۂ خدا کی معصیت و نافرمانی کر کے خدا کو ناراض

---

(۱) شرح نہج البلاغۃ: ۹۴۳

نہ کرے تو ہر ایسا دن اس کے لیے عید ہے جس میں خدا اس سے راضی ہے ورنہ خدا کو ناراض کرکے اس کو کیا خوشی حاصل ہوسکتی ہے؟

حضرت حسن بصریؒ کا واقعہ:

حضرت حسن بصریؒ عید کے دن جارہے تھے کہ ایک جگہ چند لوگوں کو ہنستا کھیلتا دیکھا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے رمضان کو گھوڑ دوڑ کے میدان کی طرح بنایا ہے تاکہ بندے طاعت وعبادت میں ایک دوسرے سے آگے بڑھیں، پس ایک قوم آگے بڑھی اور ایک گروہ پیچھے رہ گیا، تعجب ہے ان پر جو ہنستے کھیلتے ہیں اس دن میں جس میں بعض لوگ عبادت میں آگے بڑھنے کی وجہ سے کامیاب ہوگئے اور بعض لوگ پیچھے رہ جانے کی وجہ سے گھاٹے میں رہے، جب حقیقت سے پردہ اٹھے گا تو مقبول لوگ خوش ہوں گے اور مردود لوگ غم میں مبتلا ہوں گے۔(۱)

حضرت حسن بصریؒ نے ان جملوں سے اسی طرف اشارہ کیا ہے کہ عید کے دن خوش تو اس کو ہونا چاہیئے جس نے رمضان میں بھاگ دوڑ کی ہو اور طاعت وعبادت کرکے مقبول بندوں میں شامل ہوگیا ہو، اگر ایسا نہیں کیا تو پھر عید کا دن تو اس کی محرومی کا دن ہے اور غم منانے کا دن ہے، اس لیے کہ وہ انعام خداوندی سے محروم ہے، اور محروم کیا خوشی منائے؟

رمضان میں ہماری غفلت:

حاصل یہ کہ عید اصل میں اسی کی ہے جو رمضان میں طاعات وعبادات، ریاضات ومجاہدات میں لگ کر اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کی فکر کرتا ہے، مگر افسوس کہ آج ہم نے رمضان مبارک میں بھی غفلت شعاریوں اور طاعت وعبادت سے بے رغبتیوں کا وہی طریقہ اختیار کر رکھا ہے جو غیر رمضان میں ہوتا ہے، بلکہ اس سے

---

(۱) کیمیائے سعادت: ۹۵، احیاء العلوم: ۱/۲۳۶

بڑھکر یہ کہ رمضان کو دنیا میں زیادہ انہماک اور مشغولی کا مہینہ بنالیا ہے، اس لیے دیکھا جاتا ہے کہ لوگ رمضان میں زیادہ کمائی کی فکر کرتے ہیں، جو لوگ سال بھر روزانہ رات میں ۹ یا ۱۰ بجے اپنی دکانیں بند کر دیتے ہیں، وہ رمضان میں ۱۲ بجے بلکہ بعض دو تین بجے تک اس میں مشغول رہتے ہیں، رمضان کی راتیں عبادت وطاعت کے نور سے فضا کو منور کرنے آتی ہیں، مگر یہاں بجلی کے قمقموں سے بازاروں کی زینت کا سامان کیا جاتا ہے، اور لوگ عبادات کو چھوڑ کر بازاروں کی سیر وتفریح اور وہاں خرید وفروخت میں مشغول نظر آتے ہے، اور اس میں خاص طور پر عورتوں کا بڑا حصہ ہے، اور یہ سب کچھ عید کی تیاری کے عنوان سے کیا جاتا ہے۔

عید کے لیے ہماری تیاری کا حال:

یہ تیاری کیا ہوتی ہے؟ صرف یہ کہ عمدہ لباس و پوشاک، بہتر سے بہتر جوتے، اعلی ترین کھانوں کا انتظام یا ان چیزوں کی خاطر کمانے اور زیادہ سے زیادہ کمانے کی فکر، بعض لوگ ہر ہر چیز نئی خریدنے اور اعلی سے اعلی خریدنے کی کوشش کرتے ہیں، اور اسی میں سارا مہینہ خرچ ہو جاتا ہے جیسا کہ عرض کر چکا ہوں، یہ عید کی تیاری نہیں ہے، اسلام میں عید کی تیاری وہ ہے جس کو ابھی عرض کیا کہ عبادات وریاضات سے تیاری کی جائے، نیکیوں سے تیاری کی جائے، صدقہ اور خیرات سے تیاری کی جائے اور روحانی خوشی ومسرت کا انتظام کیا جائے۔

ہاں اس روحانی مسرت کے اظہار کے لیے ظاہری طور پر نئے لباس و پوشاک اور عمدہ کھانوں کا اہتمام، اعتدال کے ساتھ کر لیا جائے تو حرج نہیں، مگر اصل کی فکر کو چھوڑ کر صرف انہی کے پیچھے پڑ جانا کوئی عقلمندی نہیں۔

عیدالفطر

احادیث وفقہ کی روشنی میں

عیدالفطر اہل اسلام کی عظیم الشان عید ہے جو رحمتوں اور برکتوں کولیکر وارد ہوتی ہے، اگر چہ ہر قوم وملت کے پاس کچھ دن ضرور ایسے ہوتے ہیں جن میں وہ عید مناتے اور خوشی ومسرت کا اظہار کرتے ہیں، مگر اسلامی عید سب سے نرالی وعجیب ہوتی ہے، غیر اقوام کی عید بے حیائی وبے شرمی کے مظاہروں، مجرمانہ کھیل تماشوں، اور غفلت شعاریوں پر مشتمل ہوتی ہے، جبکہ اسلامی عید خدا کی خوشنودی ورضا طلبی کے جذبات سے پُر ہوتی ہے، بہترین اخلاق وپاکیزہ اوصاف کے مظاہروں پر مشتمل ہوتی ہے، انابت وتوجہ الی اللہ، للّٰہیت واخلاص، طاعت وعبادت، خشوع وخضوع کی کیفیات سے معمور ہوتی ہے اور آپسی ہمدردی وغمخواری، محبت ومودت، صلہ رحمی وحسن سلوک کی ضامن ہوتی ہے، اسی عید کے متعلق احادیث وآثار اور فقہ اسلامی کی روشنی میں چند احکامات کو مرتب کیا گیا ہے، اور سرسری مطالعہ سے جو روایات سامنے آئیں ان کولکھدیا ہے، اگر چہ احکامات اور بھی بہت سے ہیں۔

۞ اہل اسلام کے لیے عید کے دو دن:

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو وہاں کے لوگوں کے نزدیک دو دن ایسے تھے جن میں وہ کھیل تماشے میں مشغول ہوتے، آپ نے پوچھا کہ یہ دو دن کیا ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ ان میں ہم زمانۂ جاہلیت سے کھیلا کرتے ہیں، آپ نے فرمایا:

إن الله قد أبدلكم بهما خيرا منهايوم الاضحى ويوم الفطر. (۱)

---

(۱) ابوداؤد: ۱/۱۶۱، نسائی: ۱/۲۳۱، اسکی سند صحیح ہے، بلوغ المرام: ۳۵

اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ان دو دنوں کے بدلہ دوسرے دن ان سے بہتر عطا فرمائے ہیں، ایک عید الفطر دوسرے عید الاضحیٰ۔

معلوم ہوا کہ اہل اسلام کی عید کے یہ دو دن ہیں، ایک عید الفطر کا دن دوسرے عید الاضحیٰ کا دن اور یہ دو دن تمام قوموں اور ملتوں کے ایام عید سے بہتر و افضل ہیں، اس میں عید کے دن کے لیے خیر کا لفظ استعمال فرما کر اس طرف اشارہ فرما دیا ہے کہ ان ایام میں ہر طرح کی بھلائی و خوبی خدا کی طرف سے نازل ہوتی ہے۔

عید کے دن تجمل و زینت:

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عید کے دن لال چادر پہنتے تھے۔(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ عید کے دن زینت و تجمل کا اختیار کرنا سنت ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ عید کے دن لال چادر کا اہتمام فرماتے تھے، اور اس لال چادر سے مراد ایسی چادر ہے جس میں لال لال دھاریاں ہوں، پوری لال اس سے مراد نہیں ہے جیسا کہ حافظ ابن القیمؒ نے زاد المعاد میں بیان فرمایا ہے۔

اور اس تاویل کی ضرورت اس لیے پڑی کہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ لال لباس مرد کے لیے منع ہے مثلاً حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ مجھ پر ایک دفعہ حضور اکرم ﷺ نے دو معصفر کپڑے دیکھے تو فرمایا کہ یہ کفار کے کپڑے ہیں، ان کو مت پہنا کرو، حضرت ابن عمرؓ نے عرض کیا کہ میں ان کو دھودوں؟ فرمایا کہ نہیں بلکہ ان کو جلا دو۔(۲)

اور معصفر کپڑا عموماً لال ہی ہوتا ہے چنانچہ فتح الباری میں ہے:

فان غالب مایصبغ بالمعصفر یکون احمر(۳)

---

(۱) مجمع الزوائد: ۲۲۱/۱ (۲) مسلم: ۱۹۳/۲، (۳) فتح الباری: ۳۰۵/۱۰

بہر حال حدیث بالا سے معلوم ہوا کہ عید کے دن زیب وزینت کا اہتمام کرنا چاہیئے، مگر اس میں غلو نہ کرے کہ صرف کپڑوں اور جوتوں کی فکر میں پڑا رہے بلکہ اپنے کپڑوں میں سے جو عمدہ ہیں ان کو استعمال کرے جیسے حضرت ابن عمرؓ کا معمول امام بیہقی نے بسند صحیح نقل کیا ہے کہ وہ عیدین میں اپنے سب سے عمدہ و بہتر کپڑے زیب تن فرماتے تھے۔(۱)

تنبیہ: عید کے دن نئے کپڑے ہی پہننا چاہیئے، اس کا کوئی ذکر احادیث میں نہیں ملتا اور نہ فقہاء کے کلام میں ملتا ہے، احادیث وآثار صحابہ سے نیز حضرات فقہاء کی عبارات سے صرف یہ پتہ چلتا ہے کہ اپنے عمدہ کپڑے پہنے، لہذا آج عام رواج جو ہو گیا ہے کہ عید کے لیے نئے کپڑے ہی ضروری سمجھے جاتے ہیں، اس کی اصلاح کرنا چاہئے۔

عید کے دن غسل کا استحباب:

حضرت ابن عباس اور حضرت فاکہ بن سعدؓ سے روایت ہے:

کان رسول الله ﷺ یغتسل یوم الفطر و یوم الاضحی.

رسول اللہ ﷺ عید الفطر و عید الاضحیٰ کے دنوں میں غسل فرمایا کرتے تھے۔(۲)

فقہاء کرام نے بھی لکھا ہے کہ عید کے دن غسل کرنا مستحب ہے، اس کی ایک وجہ تو یہی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ عید کے دن غسل فرماتے تھے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جس طرح جمعہ کے دن اجتماع ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے احادیث میں غسل کو پسندیدہ قرار دیا گیا ہے، اسی طرح عید میں بھی اجتماع ہوتا ہے تو عید کے دن بھی اس کی بناء پر پاکی صفائی کا اہتمام پسندیدہ ہے۔(۳)

---

(۱) فتح الباری: ۴۳۹/۲ (۲) ابن ماجہ: ۹۳ (۳) قالہ صاحب الہدایہ: ۱۵۳/۱

فقہاء میں سے مالکیہ، حنابلہ اور شافعیہ، عید کے دن غسل کو مستحب قرار دیتے ہیں اور احناف میں سے بھی بعض نے اپنی کتب میں اس کو مستحب شمار کیا ہے، جیسے کنز الدقائق، المنار وغیرہ میں ہے اور جمہور علماء حنفیہ کے نزدیک غسل عیدین سنت ہے۔(۱)

اور اسی کے ساتھ عطر وخوشبو کا استعمال بھی مستحب ہے جیسا کہ الفقہ علی المذاہب میں ہے کہ یہ مالکیہ، حنابلہ و شافعیہ کے نزدیک مستحب ہے اور حنفیہ کے نزدیک سنت ہے۔

عیدگاہ جانے سے پہلے کھجور کھانا:

حضرت انسؓ سے روایت ہے:

کان رسول اللہﷺ لایغدو یوم الفطر حتی یاکل تمرات.

رسول اللہ ﷺ عید الفطر کے دن نہیں جاتے تھے جب تک کہ کھجور نہ کھاتے تھے۔(۲)

اور حضرت بریدہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید الفطر کے دن نہیں نکلتے تھے جب تک کہ نہ کھا لیتے اور عید الاضحیٰ میں کھاتے نہیں تھے جب تک کہ عید کی نماز نہ پڑھ لیتے۔(۳)

اس سے معلوم ہوا کہ عید الفطر میں عیدگاہ جانے سے قبل کچھ کھا لینا سنت ہے، بہتر یہ ہے کہ کھجور کھائیں اور بعض روایات میں ہے کہ آپ ﷺ تین، پانچ یا سات کھجور کھاتے تھے یا اس سے کم یا زیادہ، مگر طاق عدد استعمال فرماتے تھے۔(۴)

لہٰذا طاق عدد کھجور استعمال کئے جائیں اور بعض علماء نے مطلق میٹھی چیز کو

---

(۱) الفقہ علی المذاہب الاربعۃ:۱/۳۵۰ (۲) بخاری:۱/۱۳۰ (۳) ترمذی:۱/۱۲۰ بلوغ المرام:۳۴
(۴) فتح الباری:۲/۴۴۷

مستحب قرار دیا ہے، ابن حجر نے فرمایا کہ بعض تابعین نے کسی بھی میٹھی چیز جیسے شہد کھانے کو پسند کیا ہے، اور ابن ابی شیبہؒ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بن قرۃ اور ابن سیرین وغیرہ سے اس کو روایت کیا ہے۔(۱)

اور عید الفطر میں کھا کر جانے کی حکمت یہ ہے کہ کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ عید کی نماز تک روزہ لازم ہے، اور بعض نے یہ فرمایا کہ اس میں یہ حکمت ہے کہ روزوں کے بعد جب عید کے دن روزہ نہ رکھنا ضروری قرار دیا گیا تو یہ بات مستحب قرار پائی کہ اللہ کے حکم کی تعمیل میں جلدی کرتے ہوئے کچھ کھالے۔(واللہ اعلم)

انتباہ: عید الفطر کی صبح عوام میں سویاں (شیر خورما) پکانے کا رواج ہے، اس کو ضروری خیال کرنا، اور عید کے دن اس کی تخصیص والتزام کرنا غلط ہے، حدیث سے تو کھجور کا ثبوت خصوصیت کے ساتھ ملتا ہے، اگر میسر نہ آئے تو کسی اور میٹھی چیز کو استعمال کیا جا سکتا ہے خواہ وہ شیر خورما ہو یا کچھ اور، مگر شیر خورما ہی کو مخصوص طور پر اہتمام والتزام کے ساتھ پکانا من گھڑت بات ہے، احقر نے اس مسئلہ پر اپنے رسالۂ منکرات رمضان میں ذرا تفصیل سے لکھا ہے۔

۞ عیدگاہ جانے سے قبل صدقۂ فطر ادا کرنا:

عیدگاہ جانے سے پہلے صدقۂ فطر بھی ادا کرنا ضروری ہے، پہلے چند حدیثیں ملاحظہ کیجئے۔

(۱) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاع جو یا ایک صاع کھجور کو صدقۂ فطر میں ہر چھوٹے اور بڑے، آزاد اور غلام پر فرض کیا ہے۔(۲)

---

(۱) فتح الباری: ۲/۷۴۴، (۲) بخاری: ۱/۲۰۴، مسلم: ۱/۳۱۷، ترمذی: ۱/۱۴۵، نسائی: ۳۴۶۱

(۲) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تین قسم کی چیزوں سے صدقۂ فطر ہر چھوٹے اور بڑے، آزاد و غلام کی طرف سے نکالتے تھے، ایک صاع کھجور، ایک صاع پنیر اور ایک صاع جو، ہم اسی طرح نکالتے تھے یہاں تک کہ حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ گیہوں کا آدھا صاع کھجور کے ایک صاع کے برابر ہے، حضرت ابوسعیدؓ فرماتے ہیں: میں پہلے جیسا نکالتا تھا ویسا ہی نکالوں گا۔(۱)

فائدہ: پہلی حدیث سے معلوم ہوا کہ گھر کے ہر چھوٹے بڑے، غلام و آزاد پر صدقۂ فطر ہے، البتہ نابالغ اولاد کی طرف سے خود ان کے مال سے یا اپنے مال سے جبکہ ان کا مال نہ ہو، باپ ادا کرے گا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کھجور یا جو کے حساب سے ایک صاع صدقۂ فطر میں دینا چاہیئے اور دوسری حدیث سے بھی اس کا علم ہوا، اور دوسری حدیث سے مزید یہ معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں عام طور پر صرف تین چیزوں سے صدقۂ فطر نکالا جاتا تھا، کھجور، پنیر اور جو، مگر بعد میں جب گیہوں کا عام رواج ہوگیا تو حضرت امیر معاویہؓ نے فرمایا کہ کھجور کے ایک صاع کا مقابلہ گیہوں کے آدھے صاع سے ہو جاتا ہے، وجہ یہ ہے کہ گیہوں مہنگی ہے، لہذا اکثر صحابہ و تابعین نے اسی کو اختیار فرمایا، البتہ بعض صحابہ نے حضرت امیر معاویہؓ سے اختلاف کیا، اور فرمایا کہ نہیں ہم گیہوں سے بھی ایک ہی صاع دیں گے، لہذا یہ اختلافی مسئلہ ہے، احناف نے بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے قول پر عمل اختیار فرمایا ہے، لہذا گیہوں نصف صاع یا اس کی قیمت صدقۂ فطر میں دینا چاہئے، اب رہی یہ بات کہ نصفِ صاع آج کے حساب سے کتنے کلو ہوتے ہیں؟ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اپنے رسالہ ''اوزان شرعیہ'' میں اس کی تحقیق کرکے بتایا ہے کہ نصفِ

---

(۱) مسلم: ۱/۳۱۸، نسائی: ۱/۳۴۷، ابوداؤد: ۱/۲۲۸، ترمذی: ۱/۱۴۵، بخاری: ۱/۲۰۴

صاع پونے دوسیر کے برابر ہوتا ہے اور اس کو اگر کلو، گرام کے حساب میں تبدیل کریں تو پونے دوکلو سے کچھ کم ہوتے ہیں، اور احتیاطاً پونے دوکلو دیدینا چاہیئے، جیسا کے میرے استاذ مولانا مہربان علی صاحب زیدمجدہ اپنے رسالہ امدادلاوزان میں تحقیق فرمائی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ آج کل جو بعض چارٹ میں صدقۂ فطر کی مقدار سوادوکلو یا ڈھائی کلو لکھی ہے وہ صحیح نہیں ہے، البتہ کوئی اپنی خوشی سے زیادہ دیدے تو درست ہے مگر وجوب صرف پونے دوکلو کا ہوگا۔

(۳) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ لوگوں کے نماز عید کو نکلنے سے پہلے صدقۂ فطر ادا کیا جائے۔(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ صدقۂ فطر نمازِ عید کو جانے سے پہلے ادا کردینا چاہیے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جس نے صدقۂ فطر نماز عید سے پہلے ادا کیا، تو وہ صدقۂ مقبولہ ہے، اور جو بعد نماز ادا کرے تو وہ عام صدقات میں سے ایک صدقہ ہے۔(۲)

لہذا عیدگاہ جانے سے قبل صدقہ دیدینا چاہیئے، اگر کسی نے عیدگاہ جانے سے قبل ادا نہ کیا تو اس سے یہ معاف نہ ہوگا بلکہ بعد میں دینا پڑے گا۔(۳)

افادہ: اگر صدقۂ فطر عید سے دو تین دن پہلے ہی دیدے تو اور اچھا ہے، کیونکہ اس میں مساکین وفقرا کے لیے سہولت ہے کہ وہ اپنی ضروریات کا پہلے سے انتظام کرسکیں گے، اور حضرات صحابہ کا معمول بھی یہی تھا کہ وہ ایک دو دن پہلے صدقۂ فطر ادا کردیتے تھے، چنانچہ امام بخاریؒ نے حضرت نافع سے نقل کیا ہے کہ صحابہ کے دور میں صدقۂ فطر ایک دودن پہلے دیدیا جاتا تھا۔(۴)

---

(۱) مسلم: ۱/۳۱۸ (۲) ابوداؤد: ۱/۲۲۷، ابن ماجہ: ۱۳۱ (۳) ہدایہ: ۱/۱۹۱
(۴) بخاری: ۱/۲۰۵

فتح الباری میں ہے کہ ابن خزیمہ کی روایت میں آیا ہے کہ ایوبؒ نے نافع سے پوچھا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ صدقۂ فطر کب تک ادا کرتے تھے، نافع نے فرمایا کہ جب صدقہ وصول کرنے والا عامل وصولی بند کرتا اس وقت تک ادا کر دیتے، پوچھا کہ عامل کب بند کرتا تھا، بتایا کہ عید سے ایک یا دو دن پہلے۔

اور امام مالکؒ کی موطا میں یہ روایت ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ وصول کرنے والوں کے پاس صدقۂ فطر عید سے دو تین دن قبل بھیج دیتے تھے۔(۱)

مسئلہ: صدقۂ فطر ہر اس مسلمان پر واجب ہے جو آزاد ہو اور حاجت اصلیہ سے زائد نصاب کا مالک ہو اور نصاب وہی ہے جو زکوۃ کا ہے کہ ساڑھے سات تولے (یعنی ۸۷ گرام، ۴۷۹ ملی گرام) سونا یا ساڑھے باون تولے (یعنی ۶۱۲ گرام، ۳۵ ملی گرام) چاندی ہو یا اس کے برابر روپیہ پیسہ ہو، یا زائد از ضرورت مال سامان ہو، تو اس پر صدقۂ فطر واجب ہے، اگر چہ اس پر ایک سال نہ گزرا ہو، اور اگر چہ وہ مال تجارت کا بھی نہ ہو۔

❁ صدقۂ فطر کی مقدار گرام کے حساب سے:

یہ بات معلوم ہے کہ ایک سیر ۹۳۳ گرام، ۱۲۰ ملی گرام کے برابر ہوتا ہے اور ایک ماشہ ۹۷۲ ملی گرام کا ہوتا ہے، اس حساب سے پونے دو سیر تین ماشہ کو گراموں میں تبدیل کرنے سے صدقۂ فطر کی مقدار گیہوں کے حساب سے ایک کلو چھ سو پینتیس (۱۳۵) گرام آٹھ سو بہتر (۸۷۲) ملی گرام ہوتی ہے اور مزید احتیاط کے لیے بہتر ہے کہ ایک کلو سات سو پچاس (۷۵۰) گرام دیدیا جائے، یعنی پونے دو کلو گیہوں یا اس کی قیمت دیدی جائے، اگر کوئی اس سے زیادہ دیدے تو جائز ہے، البتہ

---
(۱) فتح الباری: ۳/۳۷۶

واجب وہی مقدار ہے جسکا ابھی ذکر کیا گیا، یہ مقدار گیہوں کے حساب سے ہے اور اگر کوئی جو یا کھجور دینا چاہے تو اسکا دوگنا یعنی ساڑھے تین کلو دینا چاہیئے اور ان مذکورہ چیزوں کے علاوہ کوئی اور چیز مثلاً چاول دینا ہو تو پونے دو کلو گیہوں یا ساڑھے تین کلو جو کی قیمت کے برابر چاول وغیرہ دینا چاہیئے۔

صدقۂ فطر کا مصرف:

صدقۂ فطر ان لوگوں کو دینا چاہیئے جن کو زکوۃ دی جاتی ہے جیسے فقیر مسکین وغیرہ۔
صدقۂ فطر کافر کو دینے کے بارے میں اختلاف ہے، بعض علماء نے اجازت دی ہے مگر فتوٰی اس پر ہے کہ نہ دینا چاہئے۔(۱)

پھر یہ اختلاف بھی اس کافر کے متعلق ہے جو اسلامی حکومت کے سائے میں جزیہ دیکر زندگی گذارتا ہے جسکو اصطلاح میں ذمی کہتے ہیں اور جو ذمی نہ ہو بلکہ دارالحرب کا کافر ہو اس کو دینا کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں۔(۲)

سید کو صدقۂ فطر نہ دینا چاہئے البتہ یہ چونکہ آل رسول ﷺ ہیں، انکی مدد و نصرت دوسرے نفلی صدقات اور تحائف و ہدایا کے ذریعہ کرنا بہت بڑے ثواب کی بات ہے۔

عید صدقۂ فطر کی قیمت بازار کے حساب سے لگائی جائے:

اس جگہ ایک اہم مسئلہ ذکر کرنا ہے وہ یہ کہ بڑے شہروں اور قصبات میں لوگوں کی سہولت کے لیے کنٹرول ریٹ پر اناج غلہ دیا جاتا ہے اور اس رعایت کا مستحق وہ ہوتا ہے جس نے ''راشن کارڈ'' بنالیا ہو، عام بازاری قیمت کے لحاظ سے راشن کارڈ پر دیا جانے والا اناج بہت سستا ہوتا ہے، سوال یہ ہے کہ جو لوگ کنٹرول ریٹ کے

(۱) درمختار مع شامی: ۳۵۲/۲ (۲) درمختار مع شامی: ۳۵۲/۲

گیہوں کھاتے ہیں وہ صدقۂ فطر اگر قیمت کے لحاظ سے دینا چاہیں تو کیا اسی کنٹرول ریٹ کے حساب سے دینا کافی ہوگا؟ اس مسئلہ پر میں نے اپنی کتاب ''رمضان اور جدید مسائل''میں کلام کیا ہے۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کنٹرول ریٹ گیہوں خرید کر گیہوں ہی پونے دوکلو دیدے تو درست ہے لیکن اگر صدقۂ فطر قیمت سے دینا ہو تو عام بازاری قیمت کا اعتبار ہوگا کنٹرول ریٹ کا اعتبار نہیں، کیونکہ فقیر آدمی اگر اس رقم سے پونے دوکلو گیہوں بازار سے خریدنا چاہے تو نہیں خرید سکتا، بلکہ پونے دوکلو سے کم گیہوں آئیں گےاور ہر آدمی کے پاس راشن کارڈ ہونا ضروری نہیں،اس لیے عام بازار کی قیمت دینا چاہیئے تاکہ اگر وہ فقیر آدمی بازار سے پونے دوکلو گیہوں خریدنا چاہے تو اس رقم سے خرید سکے۔(واللہ اعلم)

عیدگاہ جاتے ہوئے تکبیر پڑھنا:

حضرت زہریؒ سے مرسلاً روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ عیدالفطر میں نکلتے تھے اوراپنے گھر سے نکلنے کے وقت سے عیدگاہ جانے تک تکبیر پڑھتے تھے۔(۱)

اعلاء السنن میں اس کو نقل کر کے فرمایا ہے کہ ابن ابی شیبہ کی سند مرسل ہونے کے ساتھ صحیح ہے، اور مرسل روایت (جس میں صحابی کا واسطہ متروک ہوتا ہے) ہمارے نزدیک حجت ہےاور دیگر ائمہ کے نزدیک بھی حجت ہے جبکہ دوسرے طریق سے اس کی تائید ہوتی ہو۔(۲)

ائمہ احناف نے اس سے استدلال کیا ہے کہ عیدگاہ کے راستہ میں تکبیر کہتے ہوئے جانا چاہیئے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا عمل بھی یہی تھا جیسا کہ ابن حجرؒ نے بروایت دارقطنی وبیہقی نقل فرمایا ہے۔(۳)

(۱)التلخیص الحبیر :۱/۴۳ (۲)اعلاء السنن:۸/۹۷ (۳)الدرایہ مع الہدایہ:۱/۱۵۳

عیدگاہ جانا اور نماز عید میں جلدی کرنا:

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ ایک دفعہ لوگوں کے ساتھ عیدگاہ تشریف لے گئے عیدالفطر یا عیدالاضحیٰ کا موقعہ تھا، امام نے تاخیر کردی، تو فرمایا کہ ہم تو اس وقت تک فارغ ہوجایا کرتے تھے، اور یہ تسبیح (یعنی نفل نماز) کا وقت تھا۔(۱)

علماء نے لکھا ہے کہ عید الاضحیٰ میں عیدالفطر کی بنسبت جلدی جانا چاہیئے، عیدالفطر میں اس وقت جائے جبکہ سورج دو نیزے کی بقدر بلند ہوجائے اور عیدالاضحیٰ میں اس وقت جبکہ سورج ایک نیزہ بلند ہو، علامہ شوکانیؒ نے حضرت جندبؓ کی ایک حدیث سے رسول اللہ ﷺ کا یہی معمول بتایا ہے اور اس حدیث کے بارے میں فرمایا کہ ابن حجر نے تلخیص میں اس کو ذکر کیا ہے اور اس پر کلام نہیں کیا اور فرمایا کہ یہ اس باب میں سب سے اچھی روایت ہے۔(۲)

اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے علاقوں میں جو عام طور پر عیدالفطر کی نماز بہت تاخیر سے پڑھتے ہیں، یہ اچھا نہیں ہے اور عیدالاضحیٰ کو تاخیر سے پڑھنا تو اور بُرا ہے۔

نماز عید سے پہلے نفل نماز نہیں ہے:

اصحاب صحاح اور امام احمدؒ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

أنّ النبی ﷺ صلیّ یوم العیدر کعتین لم یصل قبلھما و لا بعدھما

(کہ رسول اللہ ﷺ نے عید کے دن دو رکعتیں (عید کی) پڑھیں اور ان سے پہلے کوئی نماز نہیں پڑھی اور نہ بعد میں پڑھی)(۳)

اس سے معلوم ہوا کہ عیدگاہ میں صرف دو رکعت عید کی نماز پڑھی جائے گی کوئی اور نماز نہ اس سے پہلے ہے نہ اس کے بعد، اسی طرح گھر میں بھی عید سے پہلے کوئی

---

(۱) ابوداؤد: ۱/۱۶۱ (۲) نیل الاوطار: ۳/۳۱۰ (۳) بلوغ المرام: ۸۴

نماز نفل نہیں پڑھنا چاہیئے ،البتہ عیدگاہ سے آنے کے بعد چاہے تو نفل گھر پر پڑھنے کی اجازت ہے،حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید سے پہلے کوئی نماز نہیں پڑھتے تھے البتہ جب گھر لوٹ جاتے تو دو رکعت پڑھتے ،ابن حجر نے بلوغ المرام میں اس روایت کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔(۱)

﴿ نماز عید کے لیے عیدگاہ جانا چاہئے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے دن عیدگاہ کی طرف نکلتے تھے الخ۔(۲)

ابن حجر نے فرمایا کہ اس حدیث سے عیدگاہ جانے کے استحباب پر استدلال کیا گیا ہے، اور اس پر کہ عید کی نماز عیدگاہ میں جا کر پڑھنا،مسجد میں پڑھنے سے افضل ہے۔(۳)

البتہ کوئی عذر ہو تو مسجد میں بھی عید کی نماز ادا کی جاسکتی ہے جیسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

أنهم أصابهم مطرفی یوم عیدفصلی بهم النبی ﷺ صلاۃ العید فی المسجد.

(کہ ایک دفعہ بارش ہوگئی تو آپ ﷺ نے عید کی نماز مسجد میں پڑھائی)(۴)

صاحب عون المعبود نے لکھا ہے کہ اس روایت پر ابوداؤد اور امام منذری دونوں نے سکوت کیا ہے۔(۵)

لہٰذا روایت قابل اعتبار اور کم از کم حسن ہوگی جیسا کہ معلوم ہے کہ یہ حضرات سکوت اسی وقت کرتے ہیں جبکہ ان کے نزدیک روایت کم از کم حسن ہو،لہٰذا حافظ ابن حجر نے جو بلوغ المرام میں اس کی تضعیف کی ہے، یہ مضر نہیں۔

---

(۱))بلوغ المرام:۸۴(۲)بخاری:۱/۱۳۱(۳)فتح الباری:۲/۴۵۰(۴)ابوداؤد:۱/۱۶۴
(۵)اعلاء السنن:۸/۹۱

عیدگاہ پیدل جانا سنت ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: **من السنة أن يخرج إلى العيد ما شياً .**

(کہ سنت یہ ہے کہ عید کے لیے پیدل جائے اور جانے سے پہلے کچھ کھالے۔(۱)

اسی طرح حضرت سعد رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ سے بھی روایت ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عید کے لیے پیدل جاتے تھے۔(۲)

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اکثر اہلِ علم کا اسی پر عمل ہے کہ وہ عیدگاہ کو پیدل جانا مستحب فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سواری پر نہ جائے اِلاّ یہ کہ کوئی عذر ہو۔

لہٰذا بلا عذر سواری پر نہ جانا چاہئے تا کہ سنت سے محرومی نہ ہو جائے، ہاں کوئی عذر ہو مثلاً کوئی بیمار ہے جو چلنے سے معذور ہے تو اس کے لیے گنجائش ہے کہ وہ سواری کر لے، اسی طرح جو بہت دور سے آئے تو اس کے لیے بھی گنجائش ہے، علامہ یوسف بنوریؒ نے لکھا ہے کہ ایسے اعذار والوں کو فقہاء نے مستثنیٰ رکھا ہے۔(۳)

ایک راستہ سے جانا اور دوسرے راستہ سے آنا:

حدیث میں آیا ہے: **کا ن رسول الله إذا کا ن یو م العيد خالف الطريق.**

(کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ کو ایک راستہ سے جاتے اور دوسرے راستہ سے واپس ہوتے)۔

اس حدیث کو امام بخاریؒ نے حضرت جابر سے (۱/۱۳۴) امام ترمذیؒ نے سنن (۱/۱۲۰) میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور امام ابوداوٗدؒ نے سنن (۱/۱۶۳) میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

---

(۱) ترمذی: ۱/۱۱۹ (۲) بن ماجہ: ۹۲ (۳) معارف السنن شرح ترمذی: ۴/۲۴۶

اس میں کیا حکمت ہے؟ ابن حجرؒ نے علماء سے بیس سے زائد اقوال اس سلسلہ میں ذکر کئے ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ اہل اسلام کی شان وشوکت بتانے کے لیے ایسا فرمایا کہ لوگ جب دیکھیں گے کہ مسلمان ادھر کے راستہ پر بھی تھے، اب یہاں بھی ہیں تو کثرت سے مرعوب ہوں گے، ایک حکمت یہ بتائی گئی ہے کہ راستہ گواہ بن جائے، جہاں جہاں سے اللہ کے لیے گذرنا ہوگا وہ راستہ چلنے والے کے حق میں گواہی دیگا۔ (واللہ اعلم)

عید کی مبارک بادی دینا:

ابن حجرؒ نے حضرت جبیر بن نفیر سے نقل کیا ہے کہ صحابہ کرام جب عید کے دن ملاقات کرتے تو آپس میں ایک دوسرے کو یوں کہتے۔ تَقَبّلَ اللّٰهُ مِنَّا وَ مِنْکَ. یعنی اللہ ہمارے اور تمہارے اعمال کو قبول کرے۔ (۱)

معلوم ہوا کہ صحابہ آپس میں دعا دیتے تھے، اسی کو اختیار کرنا چاہئے یہی بڑی مبارک بادی ہے۔

نماز عید

نماز عید کا وجوب:

حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نماز عیدین واجب ہے، اور دیگر بعض ائمہ کے نزدیک سنت ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

''جب شوال کا چاند نظر آجائے تو مسلمانوں پر حق (واجب) ہے کہ وہ اللہ کی تکبیر یعنی بڑائی کا اظہار کریں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿وَ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ﴾ کہ اللہ کی تکبیر بیان کرو۔ (۲)

---

(۱) فتح الباری: ۴۴۶/۲، یہ روایت حسن ہے (۲) تفسیر طبری: ۱۶۴/۲

نیز اللہ کے نبی علیہ السلام نے نماز عید پر ہمیشہ پابندی کی ہے جو اس کے واجب ہونے کی دلیل ہے، صاحب ہدایہ نے اسی سے نماز عید کے وجوب پر استدلال کیا ہے، اور اللہ کے نبی علیہ السلام کا اس کی پابندی فرمانا احادیث سے معلوم و مسلّم ہے، صاحب نصب الرایہ علامہ زیلعیؒ نے فرمایا کہ یہ بات معروف ہے۔(۱)

کیا عورتوں پر نماز عید ہے؟

کیا نماز عید عورتوں پر بھی واجب ہے؟ اس بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں، علامہ شوکانیؒ نے نیل الاوطار میں عورت پر نماز عید کے متعلق علماء کے پانچ اقوال ذکر فرمائے ہیں:

(۱) عورتوں پر نماز عید مستحب ہے، چاہے عورت جوان ہو یا بوڑھی۔

(۲) بوڑھی عورت پر مستحب ہے، جوان پر نہیں، جمہور شوافع کا یہی قول ہے۔

(۳) عورتوں کے لیے نماز عید صرف جائز ہے، مستحب نہیں، امام احمدؒ کا یہی قول ہے۔

(۴) عورتوں کے لیے نمازِ عید مکروہ ہے، امام ترمذیؒ نے سفیان ثوریؒ اور ابن المبارکؒ سے یہی قول نقل کیا ہے، اور امام مالکؒ و ابو یوسفؒ کا بھی یہی قول ہے اور ابن قدامہؒ نے امام نخعیؒ اور یحیٰی بن سعیدؒ سے بھی اسی کو نقل کیا ہے۔

(۵) عورتوں پر نماز عید کے لیے عید گاہ جانا واجب ہے، قاضی عیاضؒ نے حضرت ابوبکرؓ، علیؓ اور ابن عمر سے یہی قول نقل کیا ہے۔(۲)

اس سے معلوم ہوا کہ اکثر علماء عورتوں پر نمازِ عید کے وجوب کے قائل نہیں ہیں، اور جن احادیث میں یہ آیا کہ عورتوں کو عید گاہ جانے کا حکم دیا جاتا تھا، یہ رسول

---

(۱) نصب الرایہ: ۲۱۶/۲ (۲) نیل الاوطار: ۳۰۵/۳

اللہ ﷺ کے مبارک و مسعود دور کی بات ہے، بعد میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنھم اجمعین میں سے جلیل القدر حضرات نے عورتوں کو جماعت میں حاضر ہونے سے منع فرما دیا، جیسے حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ:

اگر رسول اللہ ﷺ ان (بے پردگی و بے حیائی کی) باتوں کو دیکھتے جو عورتوں نے پیدا کر لی ہیں تو آپ ﷺ انکو مسجد میں آنے سے ضرور منع کر دیتے جیسے بنی اسرائیل کی عورتوں کو منع کر دیا گیا تھا۔(۱)

اور جیسے عبداللہ بن مسعود کہ ایک دفعہ انہوں نے جمعہ میں عورتوں کو مسجد سے نکلتے دیکھا تو فرمایا کہ تم اپنے گھروں کی طرف جاؤ، یہ بہتر ہے۔(۲)

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کے زمانے میں نئے نئے اسلام میں آنے والے لوگوں میں ایسی باتیں پیدا ہوگئی تھیں جن کی بناء پر صحابہ کرام نے عورتوں کو مسجد اور جماعت میں حاضر ہونے سے منع فرمایا، لہٰذا عورت کا عیدگاہ جانا معیوب ہے جب اُس زمانے کی یہ حالت ہے تو موجودہ دور میں بھلا یہ کیسے معیوب نہ ہوگا۔

نماز عید میں زائد تکبیرات:

نماز عید میں عام نمازوں کے اعتبار سے کچھ تکبیرات زائد ہوتی ہیں، یہ تکبیریں کتنی ہیں؟ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک پہلی رکعت میں زائد تین تکبیریں ہیں اور دوسری میں بھی زائد تین تکبیریں ہیں، چنانچہ حدیث میں ہے کہ سعید ابن العاصؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ اور حذیفہ بن الیمانؓ سے پوچھا کہ آپ ﷺ عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر میں تکبیر کس طرح کہتے تھے تو حضرت ابوموسیٰؓ نے فرمایا چار تکبیریں کہتے تھے جیسا جنازے کی نماز میں آپکی تکبیر ہوتی تھی۔(۳)

---

(۱) مسلم: ۱/۱۸۳، ابوداود: ۱/۸۴ (۲) مجمع الزوائد: ۱/۱۵۶

(۳) ابوداؤد: ۱/۱۶۳، احمد: ۴/۴۱۶، طحاوی: ۲/۳۳۳، بیہقی: ۵/۶۹

اس حدیث کو امام ابو داؤدؒ نے روایت کر کے سکوت فرمایا ہے، اسی طرح منذریؒ نے بھی سکوت فرمایا ہے، بعض حضرات نے اس کے ایک راوی ابو عائشہ کو مجہول اور دوسرے راوی عبدالرحمان بن ثوبان کو ضعیف قرار دیا ہے، لیکن یہ دونوں باتیں صحیح نہیں، اس لیے کہ ابو عائشہ سے مکحول اور خالد بن معدان نے روایت کی ہے، اور جس سے دو راوی روایت کریں، وہ مجہول نہیں ہوتا اور ابن حجر نے التقریب میں ان کو مقبول قرار دیا ہے، رہے عبدالرحمان بن ثوبان تو ان کو متعدد ائمہ فن نے ثقہ قرار دیا ہے، لہٰذا یہ مختلف فیہ راوی ہیں، جنکی حدیث حسن سے کم نہ ہوگی۔(۱)

نیز امام طحاوی نے حضرت قاسم سے روایت کی، انہوں نے فرمایا مجھ سے بعض صحابہ نے بیان فرمایا کہ ہم کو نبی اکرم ﷺ نے عید کی نماز پڑھائی تو چار چار تکبیریں کہی، پھر نماز کے بعد ہماری طرف پھر کر فرمایا کہ بھول نہ جانا یہ جنازے کی تکبیر کی طرح ہے، پھر اپنے انگوٹھے کو بند کر کے چار انگلیوں سے اشارہ فرمایا، امام طحاویؒ نے فرمایا اس کی سند حسن ہے۔(۲)

اِن احادیث سے معلوم ہوا کہ عید میں پہلی رکعت میں چار تکبیریں اور دوسری میں چار تکبیریں ہوتی ہیں، جن میں سے ایک ایک تو اصل ہے اور تین تین زائد، نیز حضرات صحابہ سے بھی مروی ہے کہ عید میں تکبیریں چار ہوتی ہیں، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ تکبیریں چار ہیں جیسا کہ نماز جنازہ میں۔(۳)

❁ نماز عید کے لیے اذان و اقامت نہیں ہے:

نماز عید کے لیے نہ اذان ہے اور نہ اقامت، چنانچہ حضرت جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بارہا نماز عیدین پڑھی ہے جو اذان و اقامت کے بغیر ہوتی تھی۔(۴)

---

(۱) تہذیب التہذیب: ۶/۱۵۰ (۲) طحاوی: ۲/۳۳۳ (۳) مجمع الزوائد: ۱/۲۲۳ (۴) مسلم: ۱/۲۹۰

اور حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ عیدین میں نہ اذان ہے اور نہ اقامت ہے۔(۱)

نماز عید پہلے اور خطبہ بعد میں ہو:

نماز عید پہلے پھر اس کے بعد خطبہ ہونا چاہئے، یہی سنت ہے، چنانچہ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ اور ابوبکرؓ و عمرؓ عیدین کی نماز خطبہ سے پہلے پڑھتے تھے۔(۲)

اور حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کے ساتھ عید میں حاضر ہوا، یہ سب حضرات خطبہ سے پہلے نماز عید پڑھتے تھے۔(۳)

نماز عیدین کی مسنون سورتیں:

نماز عیدین میں جو سورت چاہے پڑھی جاسکتی ہے، البتہ بعض سورتیں نبی کریم ﷺ سے منقول ہونے کی وجہ سے مستحب ہیں۔

حضرت سمرہ بن جندبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عیدین کی نماز میں ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی﴾ اور ﴿هَلْ اَتَاکَ حَدِیْثُ الْغَاشِیَة﴾ پڑھتے تھے۔(۴)

اور حضرت ابو واقد لیثی فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عمرؓ نے ان سورتوں کے بارے میں پوچھا جو اللہ کے رسول ﷺ عید میں پڑھتے تھے، میں نے کہا کہ ﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَة﴾ (سورہ قمر) اور ﴿قٓ وَالْقُرْآنِ الْمَجِیْد﴾(۵)

تکبیرات عیدین میں ہاتھ اٹھانا چاہئے:

---

(۱) کنز العمال: ۳۱۵/۴ (۲) مسلم: ۲۹۰/۱، بخاری: ۱۳۱/۱ (۳) مسلم: ۲۸۹/۱، بخاری: ۱۳۱/۱

(۴) مجمع الزوائد: ۴۲۲/۱ (۵) مسلم: ۲۹۱/۱

امام طحاویؒ نے ابراھیم نخعیؒ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ سات جگہ ہاتھ اٹھائے جائیں،ان میں سے ایک تکبیرات عیدین کا موقعہ ذکر کیا ہے۔(۱)

یہ اگر چہ ایک تابعی بزرگ کا قول ہے،مگر اس کی تائید حضرت عمرؓ اور ابن عمرؓ کے عمل سے ہوتی ہے، چنانچہ حضرت عمرؓ کے بارے میں آیا ہے کہ وہ تکبیرات میں ہاتھ اٹھاتے تھے،اس کو بیہقی نے روایت کیا ہے۔(۲)

اس میں اگر چہ یہ نہیں ہے کہ یہ کونسی تکبیرات کا قصہ ہے،تاہم ابن حجرؒ نے اس کو عیدین کے باب میں ذکر کیا ہے اور علامہ ابن القیمؒ نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ ہر تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھاتے تھے۔(۳)

نماز عید کا طریقہ:

نماز عید کا طریقہ یہ ہے کہ اول دل سے نیت کرے کہ میں دو رکعت عید الفطر کی واجب نماز امام کی اقتداء میں ادا کرتا ہوں چھ زائد تکبیرات کے ساتھ،مگر نیت کو زبان سے کہنا ضروری نہیں اور حضور اکرم ﷺ اور صحابہؓ سے ثابت بھی نہیں ہے، اس لیے صرف دل سے نیت کرنا کافی ہے،زبان سے کہہ لے تو حرج نہیں۔

اس کے بعد پہلی تکبیر(جس کو تکبیر تحریمہ کہتے ہیں) کہتے ہوئے اپنے ہاتھ کانوں تک اٹھا کر باندھ لیں جیسے کہ عام نمازوں میں باندھتے ہیں اور حسب معمول ثناء پڑھیں، پھر دوسری تکبیر کہتے ہوئے ہاتھ کانوں تک اٹھائیں اور چھوڑ دیں،اسی طرح تیسری تکبیر پر بھی ہاتھ اٹھا کر چھوڑ دیں پھر چوتھی تکبیر پر ہاتھ اٹھا کر ناف کے نیچے حسب معمول باندھ لیں، پھر قرأت کریں جس میں سورۂ فاتحہ اور کوئی سورت

---

(۱)طحاوی:۱/۳۹۱،اس کی سند صحیح ہے،اعلاء السنن:۸/۱۱۵(۲)تلخیص الحبیر :۱/۱۴۵

(۳)زاد المعاد:۱/۳۴۳

پڑھیں، پھر حسب معمول رکوع وسجدہ کر کے دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہوں اور قرأت کریں جب سورۂ فاتحہ اور کوئی سورت پڑھ چکیں تو اب رکوع میں نہ جائیں بلکہ تکبیر کہتے ہوئے ہاتھ اٹھائیں اور کانوں تک لے جا کر چھوڑ دیں، اسی طرح دوسری و تیسری تکبیر پر بھی کریں کہ ہاتھ اٹھا کر چھوڑ دیں اور چوتھی تکبیر پر رکوع میں چلے جائیں، اور حسب معمول نماز پوری کریں، یہ ہے نماز عید کا طریقہ۔